مواعظِ ثلٰثہ

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

راحت القلوب

ملتِ ابراہیم

طریق القلندر

مع رسالہ

قصد السبیل

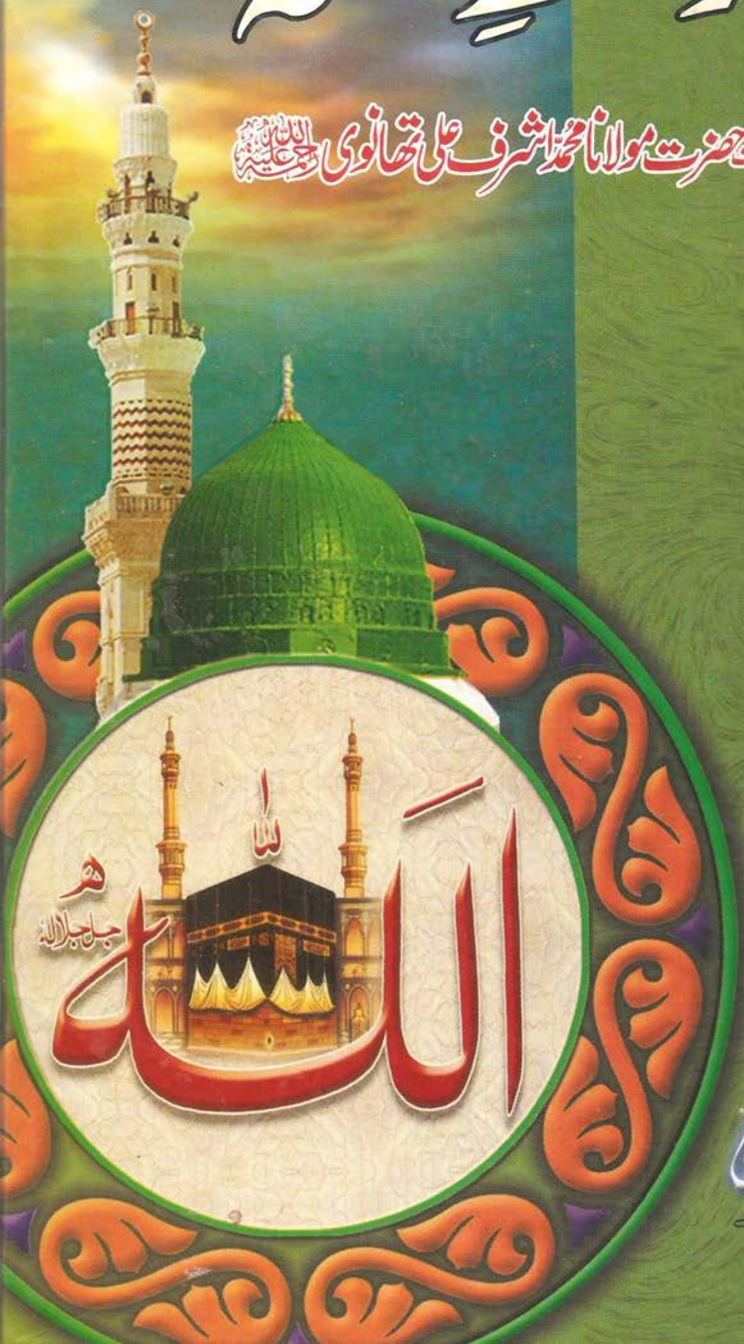

کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال کراچی پاکستان

قَالَ اللہ تعالیٰ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

سلسلہ

اَلذِّکْرٰی

کا وعظ مسمّٰی بہ

راحت القلوب

ملقب بہ

ہدیۂ مرغوب

منجملہ ارشادات حکیم الاُمّۃ مجدّد الملّۃ حضرت مولٰنا
شاہ محمّد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال ۲ کراچی پوسٹ بکس نمبر ۱۱۱۸۲

راحت القلوب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید

بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ خاکبوس آستانہ اشرفی احقر عزیز الحسن غفرلہ عرض کرتا ہے کہ اگرچہ مجھے بوجہ علم نہ ہونے کے وعظ قلمبند کرنے کی قابلیت نہیں ہے لیکن چونکہ ایک وعظ روح الارواح کے قلمبند کرنے کا اتفاق بوجہ اس وقت نہ ہونے کسی دوسرے ضابطہ کے مجھ کو ہوا تھا (جو میرا سب سے پہلا قلمبند کیا ہوا وعظ ہے اور جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے) اور اس کی حضرت اقدس نے خلاف توقع تحسین فرمائی تھی اس لئے ہمت ہوئی کہ یہ وعظ مسمی **راحت القلوب** جو اپنی نوعیت میں نہایت اعلیٰ درجہ کا وعظ اور بھی ہدیہ ناظرین کروں یہ عرصہ سے میرے پاس قلمبند کیا ہوا رکھا تھا لیکن اس کے صاف کرنے کی نوبت نہ آئی تھی حسن اتفاق سے آج کل عشرۂ اخیرہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۶ھ میں بحالت اعتکاف اس کے صاف کرنے کا موقع ملا اور عید سے ایک دن پہلے مکمل ہو گیا۔ جی چاہا کہ فوراً حضرت والا کی خدمت میں نظر اصلاحی کی غرض سے روانہ کر دیا جاوے تاکہ اگلے دن پہنچ کر ہدیہ عید ہو اسی مناسبت سے راحت القلوب کا ہم قافیہ لقب ہدیہ مرغوب اس لئے تجویز کیا گیا۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کے لئے بھی یہ ہدیہ مرغوب ہی ثابت ہوگا اس لقب میں یہ بھی رعایت ہے کہ احقر کا تاریخی نام مرغوب احمد ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مقبول اور نافع فرماویں۔

حسن اتفاق سے پہلے وعظ کا نام روح الارواح تھا۔ اور اسکا نام راحت القلوب

ہے۔ان دونوں میں جو مناسبت ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ارواح اور قلوب کے لئے روح و ریحان بنا وے۔ آمین

احقر کے پاس چند اور بھی مواعظ نہایت اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے قلمبند کئے ہوئے بصورت مسودہ رکھّے ہوئے ناظرین سے دُعا کی درخواست ہے اور بالخصوص حضرت اقدس سے کہ حق تعالیٰ جلد اُن بقیہ کو بھی بحسن و خوبی اتمام کو پہنچا دیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط

احقر زمن

عزیز الحسن ڈپٹی انسپکٹر مدارس اسلامیہ قسمت میرٹھ

تاریخ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۱۸ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الوعظ المسمّٰی بہ

راحت القلوب

ملقب بہ

ہدیہ مرغوب

یوم جمعہ بتاریخ ۲۳ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ بمقام جامع مسجد قصبہ جلال آباد ضلع مظفر نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ط

یہ ایک جُملہ ہے جو ایک آیت کا جُزو ہے اس میں حق سُبحانہ تعالےٰ نے ایک بڑی ضرورت کی چیز بتلائی ہے وہ ایسی ضرورت کی چیز ہے کہ فقط دین ہی کی ضرورت کی چیز نہیں بلکہ دنیوی ضرورت کی بھی چیز ہے۔ مجھ کو اس حیثیت سے کہ

ہیں یہاں احکامِ الٰہی پہنچانے کے لئے حاضر ہوں دنیوی ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر کیا کیا جاوے ہمارے بھائیوں کا مذاق ہی کچھ ایسا ہوگیا ہے کہ جب تک ان کو دین کے ساتھ دُنیا کی چاٹ نہ دی جاوے دین کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے چنانچہ خالص دین کی طلب کو اکثر نظر تحقیر و انکار سے دیکھتے ہیں اور اگر کوئی بیچارہ مولوی محض آخرت کی طرف بُلاتا ہے تو اس کو بیوقوف بنایا جاتا ہے اور اعتراض کرتے ہیں کہ بس مولویوں کو تو آخرت ہی آخرت یاد رہ گئی ہے اور دوسری قومیں دُنیا میں کیا کیا ترقی کر رہی ہیں اور مُسلمان ہیں کہ روز بروز گرتے ہی چلے جارہے ہیں لیکن ان مولویوں کو اس سے کچھ بحث نہیں انہوں نے تو بس ایک آخرت ہی یاد کرلی ہے یہ تو خوش عقیدوں کا حال ہے ورنہ بہت سی جماعتیں مسلمانوں میں اب ایسے لوگوں کی بھی پیدا ہوچلی ہیں جو صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ ہمیں آخرت ہی میں شک ہے اور پھر بھی اپنے کو مُسلمان کہتے ہیں معلوم نہیں اِسلام کیا چیز ہے کہ کُفر بھی اس کی ایک فرد ہے خیر اُن کا تو ذکر ہی نہیں کیونکہ عام لوگ بھی انہیں مُسلمان نہیں سمجھتے لیکن ان کی بھی جو آخرت کے قائل ہیں یہ حالت ہے کہ آخرت اور امُورِ آخرت کو گو اعتقاد کے درجہ میں خفیف نہیں سمجھتے لیکن معاملہ کے درجہ میں ضرور خفیف سمجھتے ہیں یعنی جو وقعت اور اہتمام دنیا کا ہے آخرت کا نہیں اِس قدر تو کیا معنی اس کا دسواں حصہ بھی نہیں پھر غضب یہ ہے کہ اس عدم اہتمام کا کچھ غم بھی نہیں اگر اس حالت پر تاسف ہی ہوتا اپنی کوتاہی کا احساس ہی ہوتا اس کی تمنّا ہوتی کہ کوئی ایسی صُورت ہو کہ طلب آخرت پیدا ہوجاوے تو خیر غنیمت تھا کبھی اہتمام کی بھی نوبت آجاتی لیکن افسوس تو یہ ہے کہ آخرت سے بھی بیفکری اور اس کے فکر سے بھی بیفکری۔ اس پر بھی افسوس نہیں کہ ہم کو اس کی فکر نہیں کہ ہم کو چنانچہ آخرت کی تعلیم پر بھی اعتراض کرتے ہیں اور اس کی ذرا وقعت

نہیں ہوتی کہتے ہیں کہ مولویوں نے تو آخرت ہی آخرت یاد کرلی ہے بچوں کو آخرت کی تعلیم دینے کے وہ یہ معنی سمجھتے ہیں کہ وہ بچہ دنیا سے بالکل ہی بیکار ہوجاوے گا یہ ایک بڑی کمی ہوگئی ہے۔ ہم میں کہ آخرت کے متعلق یہ خیال جم گیا ہے کہ اس میں لگ کر آدمی دُنیا سے بالکل بیکار ہوجاتا ہے بخلاف دُنیا کے کہ اس کی طلب میں دن رات منہمک ہیں اور اس مشغولی میں دین سے جو کچھ غفلت ہے ظاہر ہے لیکن وہاں کبھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس میں پھنس کر آدمی دین سے بالکل بیکار ہوجاتا ہے غرض دنیا کو ہم لوگوں نے ایسا قبلہ توجہ بنا رکھا ہے کہ مصلح کو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ جب آخرت کی ترغیب دی جاوے تو اس میں دُنیا کا بھی نفع تبلایا جاوے اور جب اعمال کے فضائل بیان کئے جاویں تو ان میں دُنیاوی منافع بھی دکھلائے جاویں، کہ شاید اسی لالچ میں آخرت کی طرف توجہ ہوجاوے جیسے بچے کہ انہیں پہلے پہلے جب گلستان بوستان پڑھاتے ہیں انکو چاٹ مٹھائی کی دی جاتی ہے۔ شروع میں سبق پڑھتے ہیں مٹھائی کے لالچ میں لیکن جب پڑھتے پڑھتے ایک ذوق علم کا پیدا ہوجاوے گا تب وہی کہیں گے کہ ہمارے کپڑے اُتار لو تم ہمیں سے مٹھائی لے لو لیکن سبق پڑھا دو ایک وہ دن تھا کہ مٹھائی کے لالچ سے پڑھتا تھا آج وہ نوبت ہے کہ جب کتاب کا سبق ہوتا ہے تو نہایت شوق سے پہنچتا ہے اور اُستاد سے منتیں کرتا ہے کہ للہ میری طرف توجہ کیجئے کہیں راضی کرنے کے لئے مٹھائی پیش کرتا ہے کہیں طرح طرح کی خدمتیں کرتا ہے کبھی استاد اس پر ناخوش بھی ہوتا ہے لیکن ذرا ناگوار نہیں ہوتا بلکہ جس قدر اپنے معلم کو دیکھے کہ مارتا ہے جھنجلاتا ہے خوش ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے بہت توجہ ہے وہ اس کی علامت توجہ کی قرار دے کر اور الٹی مٹھائی پیش کرتا ہے۔ دیکھئے یہ وہی بچہ ہے کہ جو مٹھائی لے لے کر بمشکل پڑھتا تھا۔ آج وہ دن ہے کہ خود مٹھائی دے کر پڑھ رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ اب ذوق

علم کا چسکا لگ گیا ہے۔ اب اپنے بچپن کی حکایت یاد آئی۔ میرٹھ کا ذکر ہے والد صاحب نے میرے اُستاد کو جن سے میں قرآن شریف یاد کرتا تھا علیحدہ کرنا چاہا ہمیں حفظ کا شوق ہوگیا تھا نہایت شاق گذرا۔ بس شور واویلا کرنا شروع کر دیا ہر چند والد صاحب نے سمجھایا کہ دوسرے حافظ جی بُلا دیں گے ڈانٹا بھی لیکن ایک نہ سُنی کہ میں تو اُنہیں سے پڑھوں گا آخر عاجز ہو کر چلے گئے کہنے لگے کہ خدا جانے لونڈے کو کیا کھلا دیا ہے کہ مسخر ہی ہوگیا غرض مغلوب ہو کر ہار کر چلے گئے حالانکہ وہ حافظ جی ایسے خفا ہوتے تھے کہ اس زمانہ میں جبکہ مولویت کا نام بھی ہوگیا تھا اور سچ مچ کی مولویت تو اب بھی نصیب نہیں ہوئی۔ میں ایک دفعہ میرٹھ گیا تھا اور ان کو دور میں کلام مجید سُنا رہا تھا متشابہ لگا۔ حافظ جی کو جوش آگیا بس اُٹھ کر ایک زور سے دھپ دیا منہ پر۔ الحمدللہ ذرا ناگوار نہیں ہوا۔ نیچی نگاہ کئے چُپ بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد حافظ جی ہاتھ جوڑ کر سامنے بیٹھ گئے کہ للہ معاف کر دو میں نے سخت بے اَدبی کی تم مولوی ہو۔ میں نے کہا حضرت یہ کیا آپ فرماتے ہیں یہ جو کچھ حاصل ہوا ہے سب آپ ہی کا طفیل ہے آپ کو ساری عمر مارنے کا حق ہوگا واقعی مجھے مطلق ناگوار نہیں گذرا۔ لیکن حافظ جی بیچارے ایسے شرمندہ تھے کہ نگاہ نہیں اُٹھتی تھی۔ میں نے بہت کچھ عرض و معروض کیا مگر نہیں مانے مُعاف ہی کرا کر چھوڑا۔ تو جناب میں نے اس پٹنے پر ایسا فخر کیا کہ آج اپنی اس ذلّت کو سب کے سامنے بیان کر رہا ہوں۔ محض یہی بات تھی کہ جس چیز کے سبب یہ سب کچھ ہوا اس کا شوق تھا اگر اس سے زیادہ بھی کر لیتے سب گوارا ہوتا۔ ہندی مثل بھی تو ہے کہ دودھ دیتی گائے کی لات بھی اچھی معلوم ہوتی ہے حضرت عطار اسی کو فرماتے ہیں ؎

گرم گوید سرد گوید خوش بگیر

جس شخص کو کسی ایسی چیز کی طلب ہو جس کو وہ ضروری سمجھتا ہو اس کو اس کے حاصل کرنے کے لئے سب ہی کچھ گوارا ہو گا۔ بچّوں کے ساتھ یہ گھیر گھار تو جبھی تک ہے جب تک انہیں سمجھ نہیں جب اپنا نفع نقصان سمجھنے لگے تو پھر خود پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اس کے قبل تو کچھ لالچ ہی دینے سے رستہ پر آسکتا ہے۔ جب فہم درست ہوگئی تو پھر ضرورت ہی کیا ہے لالچ دینے کی پھر ضابطہ کا برتاؤ ہوتا ہے پھر ہم کیوں خوشامد کریں اور کیوں ان کے پیچھے پیچھے پھریں انہیں کی غرض ہے وہی ہماری خوشامد کریں چنانچہ حق تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں تعلیم کے اندر تدریج کا بہت اہتمام فرمایا ہے اوّل میں مضامین اور طرح کے ہیں یعنی احکام بہت ہی کم بس تھوڑے تھوڑے اور کہیں کہیں ہیں شروع میں زیادہ تر عقیدوں کی درستی کی گئی ہے پھر آہستہ آہستہ جس قدر سہار ہوتی گئی احکام نازل ہوتے گئے۔ جیسے اوّل بچّہ کو دودھ دیتے ہیں پھر کچھ دن بعد جب معدہ میں قوّت آچلی تو کچھ روز روٹی چور کر کھلائی اتنے میں دانت نکل آئے اور کچھ چلنے لگا اب ایک آدھ ریشہ بوٹی کا بھی دینا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ خوب گوشت روٹی پلاؤ زردے سب ہی کچھ کھانے لگا پھر تو ماشاءاللہ یہ حالت ہوگئی کہ جو کچھ بھی اور جتنا کچھ بھی کھا لیا بس بیٹھے بیٹھے سب ہضم اگر اوّل ہی بچّہ کو حلوا اور گوشت روٹی کھلا دی جائے تو بجز اس کے اس غریب کی امعاء پھٹ جائیں اور کیا ہوگا اسی طرح حق تعالیٰ نے تعلیم میں نہایت تدریج اختیار فرمائی ہے جیسا مذاق مکلف کا دیکھا ویسی ہی اس کو ترغیب دی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے جا بجا جہاں ثمرات آخرت کا ذکر فرمایا ہے وہاں طاعات پر جو دُ[illegible] ثمرات مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی بیان فرمایا ہے ارشاد ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ الآیہ یعنی اگر یہ لوگ

احکام کا پورا اتباع کرتے تو ان کو اُوپر سے بھی کھانے کو ملتا اور نیچے سے بھی کھانے کو ملتا یعنی اُوپر سے بارش نیچے سے پیداوار تو دیکھئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کھانے پینے کے لئے نہیں ہے۔ کھانا تو کافروں کو بھی ملتا ہے بلکہ بہائم کو بھی اور وہ بھی کسی قدر بلا مشقت مگر پھر بھی کیوں ذکر فرمایا اسی واسطے کہ خیر کوئی کھانے پینے کا لالچی اِسی طرح آجاوے اِس طرف۔ دیکھئے ارشاد خداوندی سے معلوم ہُوا اعمال آخرت کے اندر دُنیاوی منافع بھی ہیں۔ اِسی طرح معاصی کے اندر دُنیا کی مضرت بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اِنَّ الْعَبْدَ لیحرم الرِّزق بِخَطِیئَۃٍ یَعْلَمُھَا دیکھئے بسبب گناہ کے رزق کا گھاٹا بھی ہو جاتا ہے اس سے تمام حدیثیں بھری ہوئی ہیں اس کی تفصیل بقدر ضرورت میرے رسالہ جزاء الاعمال میں ملے گی اس میں یہ دکھلا دیا گیا ہے کہ طاعات میں دُنیا کے کیا کیا نفع ہیں اور معاصی میں دُنیا کی کیا کیا مضرت ہے اس کے لکھنے سے میری یہی غرض تھی کہ لوگ دُنیا ہی کے نفع نقصان کو سوچ کر دین کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اِسی طور پر حق تعالےٰ نے یہاں بھی ایک چیز بتلائی ہے جو دُنیا کے نفع کی بھی ہے اور دین کے نفع کی بھی۔ ظاہر بات ہے کہ جو دین اور دُنیا دونوں کے نفع کی ہو وہ بڑی ہی ضرورت اور کام کی چیز ہو گی فرماتے ہیں۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ یاد رکھو سمجھ رکھو (یہ مدلول ہے کلمہ الا کا) حصر کے ساتھ فرماتے ہیں (یہ مدلول ہے تقدیم معمول کا) کہ خدا ہی کی یاد کے ساتھ دلوں کو چین ملتا ہے۔ فقط ایک چیز ہے جس سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ تمام عالم میں چراغ لے کر ڈھونڈھ آؤ کوئی دوسری چیز نہ ملے گی کیونکہ ظاہر حصر سے حقیقی ہی ہے (اس کے بعد حصر حقیقی اور حصر اضافی کی نفیس بحث تھی) اور اصل حصر میں حقیقی ہی ہوتا ہے بلا ضرورت دلیل اضافی مراد نہیں لیا جاتا اور یہاں

حصر کے اضافی ہونے کی کوئی دلیل ہے نہیں نیز اور کسی چیز کا موجبِ اطمینان بھی ثابت نہیں جیسا کہ عنقریب واضح ہو جاوے گا جب مشاہدہ ہے حصر کے حقیقی ہونے کا پھر اضافی کیوں کر ہُوا۔ غرض یہاں کوئی دلیل نہیں کہ عدول کیا جاوے حصر کے حقیقی ہونے سے جب کوئی دلیل نہیں اور مُشاہدہ بھی اس کا موید تو اس کو حقیقی ہی کہا جاوے گا لہٰذا خدا کے اِرشاد سے معلوم ہُوا کہ سوائے اس کے یاد کے چین کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ قرار اور سکون اگر ملتا ہے تو خدا ہی کی یاد سے۔ اس کے بیان فرمانے میں بہت اہتمام فرمایا ہے چنانچہ اَلَا سے کلام شروع کیا یعنی دیکھو ہوشیار ہو کر سُن لو اور سمجھ لو یاد کر رکھو خدا ہی کی یاد ایک ایسی چیز ہے جس سے قلوب کو چین ملتا ہے دُنیا بھر میں کوئی اور ایسی چیز نہیں جو قلب کو راحت پہنچا سکے۔ واقعی بہت بڑا دعویٰ ہے کہ یہی وہ چیز ہے جس میں قلوب کا چین منحصر ہے۔ اس ترجمہ سے مقصود آج کے بیان کا معلوم ہو گیا ہو گا۔ غرض حصر کے ساتھ فرماتے ہیں۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کہ سوائے یادِ خُدا کے کسی چیز میں قلوب کا چین نہیں۔ اور ہر چند کہ ترجمہ سے تو مقصود ترغیب ہی ہے ذکر کی لیکن قرینہ مقام سے خود ترغیب سے مقصود اس کا امر کرنا اور اس کا فرض ہونا بتلانا ہے اس بناء پر اس کے متعلق میرے ذمہ دو باتیں ثابت کرنا ہیں۔ ایک تو یہ کہ ذکر اللہ ضروری چیز ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے سوائے اور کوئی چیز ایسی نہیں جس میں قلوب کو چین حاصل ہو سکے اوّل جُزو ضروری ہوتا ہے سو ضرورت اس کی بالکل ظاہر ہے کیونکہ یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس میں دُنیا کا بھی نفع ہے اور دین کا بھی نفع ہے پھر اس سے زیادہ کیا ضرورت کی چیز ہو گی ذرا توجہ کرے تو ہر شخص اس کی ضرورت کو سمجھ سکتا ہے کیونکہ جو چیز دُنیا اور آخرت دونوں کے کام کی ہو ظاہر ہے کہ وہ بہت ہی ضرورت کی چیز ہے خیر آخرت کو

ابھی رہنے دیجئے دُنیا ہی کے نفع کو دیکھئے اسی سے شاید آخرت کی رغبت ہوجاوے حالانکہ آخرت اور دُنیا میں مُسلمان کو ایسا علاقہ رکھنا چاہیئے تھا کہ اگر کسی چیز میں دُنیا کا نفع تبلایا جاتا تو جب تک آخرت کا نفع نہ معلوم ہوجاتا مُسلمان اس کی طرف رُخ بھی نہ کرنا چاہیئے تھا۔ اگر دُنیا کے نفع کی چیز کی طالب حق کو رغبت دلائی جاتی تو وہ یہ سوال کرتا کہ اس میں کچھ دین کا بھی فائدہ ہے اور اگر دین کا فائدہ کچھ نہ تبلایا جاتا تو وہ یہ کہتا کہ جب دین کا نفع نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں اور اس طرف توجہ بھی نہیں ہوتی۔ اِسی طرح اگر کسی کام میں یہ کہا جاتا کہ اس میں دین کا تو فائدہ ہے لیکن دُنیا کا نفع کچھ بھی نہیں تو طالب حق کی یہ شان تھی کہ فوراً اس کی زبان سے نکلتا کہ خیر بھائی دین کا فائدہ چاہیئے دنیا کا نفع نہیں ہے نہ سہی اور بے تامل اس کام کو کر لیتا۔ اب مُعاملہ بالکل برعکس ہو رہا ہے یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ آج اگر ہم آخرت کی تعلیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور اعمال آخرت کی ترغیب دیتے ہیں تو ہم سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیوں صاحب کچھ دنیا کا بھی نفع ہوگا۔ اب اس کے جواب کی فکر ہوتی ہے واللہ مجھے تو بہت ہی شرم آتی ہے کہ اعمال آخرت میں دنیاوی منافع بیان کروں لیکن کیا کروں مذاق ہی بگڑ گیا ہے۔ ہمارے ایک عزیز تھے سب انسپکٹر نہ نماز نہ روزہ۔ ان کی بیوی بیچاری بڑی نیک بخت اور نمازی تھی۔ اس نے جو اپنے میاں سے نماز پڑھنے کے لئے کہا تو آپ کیا فرماتے ہیں کہ تو اتنے دن سے نماز پڑھتی ہے تجھے کیا وصُول ہُوا جو مجھی کو وصول ہوگا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وہ وصول ہونا اسے سمجھتے تھے جیسا کہ ایک صاحب کو وصُول ہوتا تھا۔ کوئی عہدہ دار تھے بڑے وظیفچی ایک بزرگ سے بیعت تھے ان کے یہاں بالائی آمدنی کا خوب بازار گرم رہتا تھا جس کا مُبارک نام رشوت ہے

بالائی آمدنی دست غیب اس کے آداب والقاب ہیں۔ دست غیب تو کیا ہوتا دست عیب کہئے طلوع صُبح صادق سے طلوُع آفتاب تک گویا مابین الطلوعین اس کا وقت مقرر تھا صبح کی نماز پڑھ کر مصلے پر بیٹھ کر اِدھر انہوں نے وظیفہ شروع کیا اُدھر روپیوں کا مینہہ برسنا شروع ہوگیا۔ موٹے موٹے دانوں کی تسبیح کھٹ کھٹ کر رہے ہیں اور خادم لوگوں کو لالا کر پیش کر رہا ہے اشاروں سے سب مُعاملات طے ہوتے ہیں کیونکہ اگر بول پڑیں تو وظیفہ نہ خراب ہوجاوے رشوت سے تو وظیفہ نہ بگڑا اور بولنے سے بگڑتا ہے انگلیوں کے اشاروں سے تبلاتے تھے کہ دو سو یا تین سو یا کس قدر مگر بولتے نہیں تھے کیونکہ اگر بول اُٹھیں تو وظیفہ نہ بگڑ جائے۔ بعضوں کا تقویٰ بِلّابی ہوتا ہے۔ یعنی کُتّے کا سا تقویٰ کہ منہ کو نجاست سے بچاتا نہیں مگر پیشاب جب کرے گا تو ٹانگ اٹھا کر کہ کہیں چھینٹیں نہ پڑ جاویں بیچارہ بہت ہی محتاط اور متقی ہے ٹانگ کی اتنی حفاظت کہ پیشاب کی چھینٹیں نہ پڑنے پاویں اور منہہ سے گوہ کھاتا ہے تو بعضوں کے تقویٰ کی یہی حالت ہوتی ہے چنانچہ ان صاحب کا بھی ایسا ہی تقویٰ تھا کہ رشوت سے تو وظیفہ نہ بگڑتا تھا لیکن بولنے سے بگڑتا تھا اِس لئے اشاروں سے معاملے طے کئے جاتے تھے اہل مقدمہ آیا سلام کیا کہا حاضر لایا ہوں زبان سے بول نہیں سکتے مصلے اٹھا دیا کہ نیچے رکھ دو۔ پچاس ساٹھ جیسی قسمت ہوئی۔ یہ تھی نماز بار آور وہ سب انسپکٹر بھی ایسی ہی نماز چاہتے تھے بیوی سے پُوچھتے ہیں کہ تمہاری بھی ایسی ہی نماز ہے یا خالی خولی ٹکّریں ہی ہیں۔ ایسی نماز سے سوائے اس کے گھر بار کے کاروبار کا حرج ہو اور کیا حاصل ہُوا۔ یہی ہمارے بھائیوں کا حال ہے کہ جب دین کی رغبت دی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ دُنیا بھی ملے گی۔ میں دُنیا کی تحصیل سے منع نہیں کرتا لیکن یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے کہ مقصُود اصلی کیا چیز ہے کیوں

صاحب میں کہتا ہوں ہر شے اپنے مرتبہ پر ہونی چاہیئے یہ مسئلہ تمام عقلاء کا مسلمہ ہے۔ جب یہ ہے تو دُنیا اور آخرت میں بھی فرق مراتب ضروری ہے دونوں کو اپنے مرتبہ پر رکھو۔ دیکھئے ایک چیز تو ایسی ہو جو صرف دس دن کام آوے اور دوسری چیز ایسی ہو جس کی عمر بھر ضرورت پڑے تو کیا دونوں کو ایک ہی مرتبہ پر رکھو گے ہرگز نہیں ایک تو مستقل رہنے کا مکان ہوتا ہے اور ایک سرائے ہوتی ہے کیا دونوں کے ساتھ ایک ہی سا معاملہ ہوتا ہے۔ مظفر نگر میں مقدمہ ہے یا کچھ اور کام ہے تو سرائے میں تین چار دن کے لئے قیام کرتے ہیں اگر وہاں کی چارپائی کی پٹی ٹوٹی ہو تو پٹی تو بنوائیں گے لیکن یہ نہ دیکھیں گے کہ سال ہی کی ہو اور رندا بھی کی ہو اور چارپائی کا بان بھی باریک ہو اس کی بناوٹ میں پھول بھی پڑے ہوئے ہوں بہت سے بہت یہ ہوگا کہ ضرورت سے گذر کر آسائش پر بھی نظر کر لیں گے کہ ذرا کسی ہوئی ہو قبرسی نہ ہو غرض ضرورت پر نظر ہوگی زینت پر نہ ہوگی کیونکہ تین دن کا گھر ہے۔ ایک اپنا وطن ہے۔ وہاں مکان بناتے ہیں تو اس میں چالیس پچاس ہزار روپیہ صرف کرتے ہیں۔ نہایت عالیشان عمارت ہوتی ہے اُس میں زینت بھی تجمّل بھی سبھی کچھ ہوتا ہے اگر کوئی مظفر نگر کی سرائے میں اپنے وطن کے مکان کا سارا ساز و ساماں لا کر لگا دے اور سرائے کو سجا دے تو کیا نتیجہ ہوگا اگلے دن سرائے کا نوکر اس کو نکال باہر کرے گا اور تمام جہان اس کو احمق کہے گا کہ دیکھو اپنے اصلی گھر کے سامان کو چند روز سرائے کی نذر کر دیا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہمارا اصلی گھر کون سا ہے ظاہر ہے کہ آخرت ہی ہمارا اصلی گھر ہے۔ اگر آخرت پر عقیدہ نہ ہو تب بھی موت کا تو انکار ہی نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے بعض فرقوں نے خُدا کا بھی انکار کیا لیکن موت کا سب کو قائل ہونا پڑا اور وہ بھی اختیار میں نہیں کسی کو خبر نہیں کہ کب موت آجا دے اور

طوعاً و کرہاً دُنیا کو چھوڑنا پڑے موت ایسی زبردست چیز ہے کہ اس کا سب کو قائل ہونا پڑتا ہے اور بالخصوص مُسلمان کہ وہ تو موت کے بعد آخرت کی زندگی کے بھی قائل ہیں جو یقینی پیش آنے والی ہے اور زندگی طویل بھی اتنی ہے کہ جس کا کبھی خاتمہ ہی نہیں۔ بس وہیں کی زندگی اصل زندگی ہے اور وہی ہمارا اصلی گھر ہے اس کا سامان ہمارے اعمال ہمارا دین ہماری طاعات ہیں ان کو ہم عارضی گھر یعنی دُنیا جو وہاں کے مقابلہ میں سرائے سے بھی بدرجہا کم ہے اس کے نذر کر رہے ہیں اور ہم نے جو کم کہا وہ اِس لئے کہ فرض کیجئے اگر گھر پر پچاس برس عمر ہوئی تو سرائے کے چار دن کو پچاس برس کے ساتھ کچھ تو نسبت ہے لاکھواں کروڑواں کوئی حصّہ ہوا آخر دونوں متناہی ہیں۔ برخلاف اس کے دُنیا اور آخرت میں وہ بھی تو نسبت نہیں۔ بہت سے بہت دُنیا کی عمر سو برس۔ آخرت کی ہزار کروڑ سنکھ مہاسنکھ۔ جتنا بھی گِن سکیں گے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ وہاں کی عمر۔ بس اتنی بڑی عُمر جس گھر میں گذارنی ہے اُس کے سامان کو اس چند روزہ سرائے دنیا پر نثار کر رہے ہیں۔ اسی طرح سے کہ اگر کسی نے مکان تعمیر کرایا تو حلال حرام کی مطلق پروا نہ کی۔ ایمان بھی گھر میں لگا دیا دین بھی سامان بہم پہنچانے میں صرف کر دیا۔ نماز بھی اس کی نذر کر دی غرض بالکل ایسی مثال ہے کہ گھر کی ساری ریاست مظفر نگر کی سرائے میں لگا دیا۔ دوسرے تیسرے دن سرائے کے بھٹیارہ نے کان پکڑ کر باہر نکال دیا۔ اور پھر اپنے کو سمجھتے ہیں کہ بڑے عاقل ہیں اتنا بڑا مکان بنوا ڈالا اور اگر کوئی مولوی اس کی بُرائیاں بیان کرتا ہے تو اُس کا نام زاہد خشک رکھا جاتا ہے اور ایسے مولویوں کو نئے نمازی۔ ابدیوں کی پلٹن۔ نکمّے۔ اپاہج۔ ضرورت زمانہ سے ناواقف۔ بیوقوف۔ بے تہذیب۔ نہ معلوم کیا کیا لقب دیئے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ لوگ کسی کام کے نہیں۔ ایک

صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ مسلمانوں نے پانی سے صرف یہی کام لیا کہ وضو کرلیا غسل طہارت کرلی۔ نہ بھاپ نکال کر مشینیں چلائیں نہ انجن ایجاد کئے اُن سے خدا تعالیٰ کے یہاں باز پُرس ہوگی۔ تو صاحب خدا تعالیٰ اس پر بھی مواخذہ کریں گے کہ کلیں کیوں نہیں جاری کی تھیں تو جنہوں نے سائنس سے کام لیا انہوں نے خدا کی مرضی کو سمجھا مُسلمانوں نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔ خدا کی پناہ نعوذ باللہ یہاں تک مذاق بگڑ گیا ہے کہ دُنیا ہی کی ضرورت کو ضرورت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اعمال آخرت میں یہ پوچھتے ہیں کہ دُنیا کا بھی نفع ہے یا نہیں جیسے میں نے ابھی سب انسپکٹر کی حکایت بیان کی۔ کتنی کایا پلٹ ہو گئی ہے حالانکہ مُسلمان کی یہ شان ہونی چاہیئے تھی کہ اگر اُس کو کسی چیز میں دُنیا کے نفع کی ترغیب دی جاتی کہ بھائی اس میں دُنیا کا یہ نفع ہے فلانی غذا یا فلانی دوا بڑی طاقت بخش ہوتی ہے تو وہ فوراً سوال کرتا کہ طاقت حاصل کرکے مجھے کیا کرنا ہے یہ بتلاؤ کہ کچھ دین کا بھی بھلا ہوگا اور جب اس کو یہ بتلا دیا جاتا کہ طاقت حاصل ہوگی تو عبادت کی قوت ہوگی پہلے سے زیادہ عبادت ہوسکے گی تب راضی ہوتا کہ اگر یہ بات ہے تو لاؤ کھالوں گا۔ آج یہ سوال ہوتا ہے کہ نماز روزہ کرنے میں کچھ ٹکے بھی ملیں گے۔ چنانچہ دُنیا حاصل ہونے کے وظیفے اگر بتلائے جاتے ہیں تو نہایت شوق سے کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں یہ اُمید ہے کہ ٹکے بھی ملیں گے مجھ سے تو اگر کوئی بے نمازی دُنیا کا وظیفہ پوچھتا ہے تو میں ایسا وظیفہ تجویز کر دیتا ہوں جس میں پانچوں نمازوں کے پڑھنے کی قید ہو تاکہ اسی بہانہ سے نماز کی پابندی نصیب ہوجاوے اور دُنیا ہی کے طفیل آخرت کی طرف توجہ ہوجاوے۔ اسی طرح یہاں بھی ایسی چیز حق تعالیٰ نے بتلائی ہے جس میں دین اور دُنیا دونوں کا نفع ہے وہ چیز ذکر اللہ ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا

اس کی ضرورت ہے یا نہیں دین کی حیثیت سے اس کا ضروری ہونا تو ظاہر ہے دیکھنا یہ ہے کہ دُنیا کے اعتبار سے بھی ضروری ہے یا نہیں دوسری بات یہ دیکھنی ہے کہ یہ ضرورت کسی اور چیز سے بھی حاصل ہوسکتی ہے یا نہیں اس کا ضروری ہونا تو اس سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا طالب ہے اور غور کرکے دیکھا جاوے تو سب لوگ اپنی طلب میں صورۃً مختلف ہیں معنیً مختلف نہیں دیکھئے ایک شخص اولاد کا طالب ہے وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح میں صاحب اولاد ہو جاؤں دوسرا کسی بڑے عہدے کا طالب ہے وہ اس دھن میں ہے کہ کسی صُورت سے میں ڈپٹی کلکٹر ہو جاؤں یا جج ہو جاؤں تیسرا ترقی کا طالب ہے وہ اس فکر میں ہے کہ کوئی ایسی تدبیر ہو کہ دو چار گاؤں ہاتھ آجاویں اور رئیس اعظم ہو جاؤں ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس مکان بڑا عالیشان ہو جاوے۔ ایک شخص ہے کہ وہ رات دن اسی کوشش میں ہے کہ میری حکام میں وُقعت ہو جاوے۔ آنریری مجسٹریٹ ہو جاؤں درباروں میں کُرسی ملنے لگے۔ غرض دُنیا ہی کے مقاصد کو دیکھ لیجئے کہ ان میں کس قدر اختلاف ہے کوئی کسی چیز کا طالب ہے کوئی کسی چیز کا اور ہر شخص دوسرے کے مقصد کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ یہ بھی کوئی طلب کرنے کی چیز ہے تو ظاہر یُوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص ایک جُدا چیز کا طالب ہے لیکن یہ بات نہیں بلکہ ان مقاصد کے محض نام مختلف ہیں معنی مختلف نہیں۔ غور کرکے دیکھا تو معلوم ہُوا کہ یہ جملہ مقاصد صورۃً مختلف ہیں معنیً ان میں کوئی اختلاف نہیں درحقیقت یہ سب ایک ہی چیز کے طالب ہیں۔ وہ چیز کیا ہے اس کا نام ہے چین ہر شخص بس چین کا طالب ہے۔ جو شخص بے قرار ہے اولاد کے لئے وہ سمجھتا ہے کہ اولاد ہو جاوے گی تو میرے قلب کو چین ہوجاویں گے تو مجھے چین

ہو جاوے گا۔ غرض جو شخص جس چیز کا طالب ہے اِسی لئے کہ اُس کے مل جانے پر اس کے قلب کو سکُون اور راحت ہو جاویگی خلاصہ یہ کہ چین اور راحت ہی کے سب طالب ہیں لیکن اس راحت کے حصُول کے سامان اور ذرائع ہر شخص نے اپنے زعم کے موافق مختلف تجویز کر رکھے ہیں۔ ان کا اختلاف محض نام کا اختلاف ہے ؎

اختلافِ خلق از نام اوفتاد چوں بمعنی رفت آرام اوفتاد

(مخلوق کے اختلاف تو صرف ظاہری نام کی وجہ سے پیدا ہوئے لیکن جب حقیقت واضح ہوئی تو اطمینان ہوگیا)

حضرت مولانا رومیؒ نے اس اختلاف کی عجیب مثال دی ہے کہ ایک سفر میں چار شخص کہیں رفیق ہو گئے تھے چاروں مختلف ملکوں کے رہنے والے۔ ایک ترکی۔ ایک فارسی۔ ایک عرب اور ایک رومی۔ کسی نے ایک درم جو چوّنی کی برابر ہوتا ہے سب کی خدمت میں پیش کیا۔ سب کا انگور کھانے کو جی چاہا لیکن لغت مختلف بولے۔ عرب بولا ئیں تو اس درم کا عنب لُوں گا فارسی نے کہا نہیں میں تو انگور لُوں گا۔ رُومی نے کہا میں اُستافیل لُوں گا۔ رُومی زبان میں انگور کو استافیل کہتے ہیں چوتھے نے اور کچھ کہا جو یاد نہیں۔ ترکی زبان میں انگور کو جو کچھ کہتے ہوں۔ غرض آپس میں جھگڑا ہونے لگا۔ ایک شخص آیا جو سب زبانیں جانتا تھا اس نے کہا کہ اچھا صبر کرو میں اسی درم میں سب کی چیزیں خرید لاؤں گا۔ چنانچہ وہ درم لے کر بازار سے انگور خرید لایا۔ عرب سے کہا کہ لو یہ ہے عنب یا نہیں اُس نے کہا نعم۔ فارسی سے کہا کہ لو یہ ہے انگور یا نہیں اُس نے کہا آرے بلے بیشک اسی طرح سب نے اقرار کیا انگور ہی سب کا مقصُود تھا لیکن لغت کے اختلاف سے اُس کے نام مختلف ہو گئے اس

مقام پر مولانا فرماتے ہیں ؎

اختلافِ خلق از نام اوفتاد چوں بہ معنے رفت آرام اوفتاد

ایک نے اپنے مقصود کا نام اولاد رکھا۔ دوسرے نے جائداد گاؤں ملکیت تیسرے نے حکومت عہدہ اعزاز۔ لیکن معنیٰ مقصود سب کے ایک ہی ہیں یعنی راحت۔ ہر شخص راحت ہی کا طالب ہے راحت کی طلب وہ چیز ہے کہ اہلِ دُنیا تو اہل دین بھی اُسی کے طالب ہیں۔ چنانچہ آخرت کی راحت کا مقصُود ہونا ظاہر ہے خلاصہ اِس تمام تقریر کا یہ ہوا کہ ہر شخص کو بالذّات راحت اور چین ہی مقصود ہے گو بظاہر ہر شخص ایک مختلف چیز کا طالب نظر آتا ہو ظاہر کا اختلاف تو یہاں تک ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص ایک چیز کا طالب ہوتا ہے اور دوسرا طالب ہوتا ہے اُسی چیز کے عدم کا کیونکہ دُنیا میں ہر طرح کے لوگ موجود ہیں آزاد بھی ہیں پابند بھی۔ بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ انہیں کہیں سے مثلاً بیس ہزار روپے مل جاویں تو وہ زندہ ہو جاویں اور مارے خوشی کے پھولے نہ سماویں۔ برخلاف اس کے دوسرے کو اگر اتنا روپیہ ایک ساتھ مل جاوے تو اسے تو ہونے لگے وحشت کہ اتنے سارے روپیہ کو آخر کروں گا میں کیا یہ کہاں کا بکھیڑا پیچھے لگ گیا تو بظاہر ایک شخص بیس ہزار کا طالب ہے دوسرا طالب نہیں بلکہ اس کے عدم کا طالب ہے لیکن حقیقت میں نہ وہ طالب ہے زر کا نہ یہ بے زری کا دونوں راحت کے طالب ہیں۔ اُسے راحت ہے زر میں اِسے راحت ہے بے زری میں۔ اسی طرح ایک شخص تو ایسا ہے کہ آنریری مجسٹریٹی اس کے سر مڑھی جاتی ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ خُدا کے لئے ہمیں مُعاف رکھّو ہم نہیں چاہتے آپ کی آنریری مجسٹریٹی وہ سُنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھتا ہے کہ ﷲ مجھے معافی دیجئے میں یہ جھگڑا اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔ دوسرا کوشش کر کے اس کو حاصِل کرتا ہے اور حکام کی خوشامدیں کرتا پھرتا ہے کہ کسی طرح یہ عہدہ مجھے مل جاوے بظاہر دونوں متضاد چیزوں

کے طالب معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت دونوں ایک چیز کے طالب ہیں یعنی دونوں راحت کے طالب ہیں اس نے دیکھا کہ راحت اسی میں ہے کہ اس بکھیڑے سے الگ رہوں کہاں کی مصیبت ہے خواہ مخواہ اپنا چین بھی کیوں کھویا۔ دوسرا اس میں راحت سمجھتا ہے کہ مجسٹریٹی مل جاوے گی تو خوب تماشا مخلوق کا دیکھنے کو ملا کرے گا۔ طرح طرح کے مقدمے قسم قسم کے معاملات ایک کو اس میں راحت ہے کہ تماشہ مخلوق کا دیکھے ایک کو اس میں راحت ہے کہ کسی کا تماشہ نہ دیکھے۔ حکام نے ایک مسلمان رئیس کو نظر بند کرنا چاہا اس سے پوچھا کہ تم کہاں رہنا چاہتے ہو اس رئیس نے کہا کہ میں مکہ میں رہنا چاہتا ہوں چنانچہ اس کو مکہ میں نظر بند کردیا گیا وہاں وہ رئیس کمبخت حج کے موسم میں سڑک پر کھڑے ہو کر عورتوں اور امردوں کو دیکھا کرتا ایک تو یہ حضرت تھے اور ایک وہ شخص ہے جو عورتوں اور امردوں سے بچنے کیلئے بستی کو چھوڑ کر جنگل میں رہنا اختیار کرتا ہے ؎

بزرگے دیدم اندر کوہسارے — نشستہ از جہاں در کنج غارے

(ایک بزرگ کو دیکھا پہاڑوں میں دنیا سے الگ ہو کر ایک غار کے اندر بیٹھا ہوا تھا)

چرا گفتم بشہر اندر نیائی — کہ بارے بند از دل برکشائی

(اس سے میں نے دریافت کیا کہ تو شہر میں کس لئے نہیں آتا)

بگفت آنجا پری رویان نغز اند — چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

(انہوں نے کہا کہ وہاں حسین (عورتیں) بہت ہیں اور جب کیچڑ زیادہ ہوتا ہے تو ہاتھی بھی پھسل جاتے ہیں)

دیکھئے یہ کہتا ہے کہ اس میں راحت ہے کہ کسی کو نہ دیکھو اور وہ کہتا ہے کہ اس میں راحت ہے کہ سب کو خوب دیکھو۔ یہ اور بات ہے کہ رائے کس کی صحیح ہے اس کی اس وقت گفتگو نہیں میں ابھی یہ ثابت کر رہا ہوں کہ ہر شخص در اصل راحت

کا طالب ہے اور لیجئے خلفاء خلافت سے گھبراتے تھے۔ بعضے سلطنت کے لئے لڑتے مرتے ہیں کسی نے سلطنت حاصل کرنے کے لئے باپ کو مار ڈالا۔ کسی نے بھائی کو قتل کر دیا ان کو اس میں راحت ہے ان کو اس میں گو ایک کی خیالی ہی ہو اور سنیئے ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

زاہد نداشت تاب جمال پری رخاں — کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت

باہر نکلتے ہیں تو حسینوں پر نظر پڑتی ہے جس سے دل کے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں کہاں کی مصیبت ہے عافیت تو اسی میں ہے کہ کونہ میں بیٹھ رہو۔ اس گوشہ نشینی کو کسی دوسرے پیرایہ میں شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

آنانکہ بر کنج عافیت بنشستند — دندان سگ و دہان مردم بستند

(جو لوگ گوشہ تنہائی اختیار کر لیتے ہیں کتوں کے دانت اور لوگوں کے منہ بند کر دیتے ہیں)

کاغذ بدریدند و قلم بشکستند — وز دست و زبان حرف گیراں رستند

(کاغذ پھاڑ ڈالے اور قلم توڑ ڈالے۔ غرضیکہ تمام نکتہ چینوں کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ ہو گئے)

اسی طرح بعضے روپیہ پیسہ کے عاشق ہوتے ہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ وہ اس کے ذکر سے بھی گھبراتے ہیں حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شاہجہان بادشاہ ایک مرتبہ حاضر ہوا اور ایک بہت بڑی رقم نذر کی شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں اس کا کیا کروں گا اول تو میرا خرچ ہی کچھ نہیں پھر جو کچھ تھوڑی بہت حاجت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھجوا دیتے ہیں میں اسے لیکر کیا کروں گا شاہجہان کے دل میں اس انکار سے شاہ صاحب کی بڑی وقعت ہوئی ایک مولوی صاحب ہمراہ تھے۔ ایسے حضرات پر خشک ذی علم کو حسد ہوتا ہے انہوں نے سوچا کہ انکی تو بادشاہ کی نظر میں بڑی وقعت ہو گئی لاؤ کوئی عیب نکالو عیب نکالنے میں ایسے لوگ بڑے ماہر ہوتے ہیں جس وقت شاہ صاحب نے انکار کیا آپ کہتے ہیں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَشْفُ الْمَرْءِ

وَيُشِيبُ فِيهِ خَصْلَتَانِ الْحِرْصُ وَطُولُ الْأَمَلِ جناب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی بوڑھا ہوتا ہے اور اس کے اندر دو خصلتیں
جوان ہوتی ہیں حرص اور طول امل آپ بوڑھے ہیں لہٰذا آپ میں یہ دونوں خصلتیں
ہونا لازمی ہیں کیونکہ حدیث کا غلط ہونا محال ہے لہٰذا یہ آپ کا تصنع ہے کہ
باوجود حرص کے روپیہ لینے سے انکار کر رہے ہیں شاہ صاحب صرف حرف
شناس بھی نہ تھے لیکن سُبحان اللہ کیا دندان شکن جواب دیا ہے فی البدیہ فرمایا
کہ مولانا آپ حدیث کا مطلب ہی نہیں سمجھے نرے پڑھنے سے کیا کام چلتا
ہے ع مولوی گشتی و آگہ نیستی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یشب فرمایا ہے تو جوان وہی ہوگا جو پہلے سے پیدا
ہوا ہو۔ الحمد للہ میرے اندر حرص کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی جو آج جوان ہوتی تم
اپنی خبر لو کہ شروع ہی سے حرص تمہارے اندر پیدا ہوئی اور پرورش ہوتے ہوتے
اب اس پر جوانی کا عالم ہے دیکھو آج تمہارے بڑھاپے میں اس پر کیا جوبن
چڑھ رہا ہے۔ میرے اندر تو بفضلہٖ حرص کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی جو آج بڑھاپے
میں اس کے جوان ہونے کی نوبت آتی اللہ اکبر کیا گہری بات فرمائی ہے علم
حقیقی انہیں حضرات کو حاصل ہوتا ہے اس کا مولوی صاحب سے کچھ جواب
نہ بن پڑا شاہ صاحب کا بس منہ دیکھ کر رہ گئے۔ بہرحال ایک وہ لوگ بھی ہیں
جو روپیہ پیسہ سے گھبراتے ہیں ایک اور حکایت یاد آئی حضرت سیدنا غوث
پاکؒ کی خدمت میں بادشاہ سنجر نے عریضہ لکھا کہ ایک حصہ میرے ملک کا ہے
نیمروز۔ وہ میں آپ کی نذر کرتا ہوں کیونکہ آپ کی خانقاہ کا خرچ بہت زیادہ
ہے مہمانوں کی کثرت رہتی ہے واردین صادرین کثرت سے آتے رہتے ہیں۔
حضرت غوث پاکؒ اس کے جواب میں نہایت بے پروائی کے ساتھ لکھتے ہیں ؎

چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ باد   دردل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب   من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

(اگر میرے دل میں تیرے ملک کی ہوس تک بھی ہو تو خدا کرے میرا بخت سیاہ ہو جائے
جیسا تیرا چتر سیاہ ہے (اس زمانہ میں بادشاہوں کا چتر سیاہ ہوا کرتا تھا دوسرے شعر میں
اس میں بے رغبتی کی وجہ بیان کرتے ہیں) کہ جب سے آدھی رات کی بادشاہت ملی ہے
اس وقت سے ملک نیمروز کو ایک جو کے بدلے میں بھی خریدنا نہیں چاہتا۔)

یعنی آدھی رات کو اٹھ کر جو نفلیں پڑھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول
ہوتا ہوں اس کے لطف کے سامنے سب گرد ہے حکومت اور سلطنت میں
ملک نیمروز کو ایک جو کی برابر نہیں سمجھتا۔ حضرت تو وہ کیا بات ہے۔ ان کو اسی
میں چین ملتا ہے۔ تو دیکھئے ظاہر میں سب کے الگ الگ مطلوب ہیں لیکن
حقیقت میں سب ایک ہی چیز کے طالب ہیں یعنی چین کے یہ دوسری بات
ہے کہ واقعی چین کس میں ہے جو آگے ثابت ہو جاوے گا۔ جب یہ بات ہے
تو دنیا کے طالب بھی واقعی چین کے طالب ہیں۔ تو چین دنیوی ضرورت کی بھی
چیز ہے۔ کوئی ایسا نہیں جس کو راحت اور چین مطلوب نہ ہو۔ رہی آخرت سو
آخرت کے چین کا مطلوب ہونا بالکل ظاہر ہے۔ کسی کو اس میں کلام ہی نہیں۔
بفضلہٖ ایک مقدمہ تو بخوبی ثابت ہو گیا کہ چین دنیا اور آخرت دونوں کی ضرورت
کی چیز ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ باقی رہا کہ چین کس چیز میں ہے سو حق سبحانہٗ
تعالیٰ دعویٰ فرماتے ہیں کہ خدا ہی کی یاد میں چین منحصر ہے اب ذکر کے
ضروری ہونے میں کیا شبہ رہا اب اس کا ثابت ہونا رہا کہ چین صرف
ذکر اللہ ہی میں ہے سو یہ بات مشاہدہ سے معلوم ہو سکتی ہے کہ دنیادار ہرگز
راحت میں نہیں۔ ٹٹول لیجئے طالبانِ راحت اور اسباب راحت جمع کرنے
والوں کو یعنی ایک وہ شخص ہے کہ جس کی عمر گذر گئی سامان راحت جمع کرنے

میں اور سامان جمع بھی ہوگیا۔ اوّل تو سب سامان جمع ہوتا نہیں حق تعالیٰ کا
ارشاد ہے اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی (عربی شعر) ؎

مَا کُلُّ مَا یَتَمَنَّی الْمَرْءُ یُدْرِکُهٗ   تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِی السُّفُنُ

یعنی کبھی ہوائیں مخالف ہوتی ہیں جو کشتی کے مقتضا کے خلاف ہے لیکن اگر ہر شخص اپنی سب تمنّائیں حاصل بھی کرلے تب بھی راحت نہیں یعنی فرض کرو ایک شخص ایسا ہے کہ اس کی سب تمنّائیں پوری ہوگئیں یعنی سامانِ راحت جسے وہ سمجھتا تھا وہ سب جمع ہوگیا لیکن خود راحت تو خدا ہی کے قبضہ میں ہے یعنی دیکھنا یہ ہے کہ سعی سے کیا چیز جمع ہوسکتی ہے راحت یا سامانِ راحت۔ ایک شخص ہے کہ اس کا عہدہ بھی بڑا ہے۔ گاؤں بھی ہیں نوکر چاکر بھی ہیں۔ حشم خدم بھی ہے۔ حکومت بھی غرض سارا سامان راحت اور عیش کا جمع ہے۔ اوّل تو بہت کم ایسے ہوتے ہیں لیکن خیر آخر کوئی ایسا ہو بھی تو اُس کو پیشِ نظر رکھ کر اُس کی حالت دیکھئے اور تفتیش کیجئے کہ آیا اُسے چین میسّر ہے یا نہیں۔ میں سچ عرض کرتا ہوں چین پھر بھی اُسے نصیب نہیں کوئی نہ کوئی پریشانی وہاں بھی ضرور پاؤ گے اپنی عمر میں کوئی دُنیا دار آرام میں نہیں۔ ایک شخص ہے کہ اُس کے اولاد نہیں ہوتی مدّتوں تو اس غم میں رہا کہ اولاد نہیں ہوتی خیر اولاد بھی ہوگئی تو پھر اولاد کے اولاد نہیں ہوتی اب اس غم میں ہے غرض کسی وقت فکر و غم سے خالی نہیں۔ یہ مسلم ہے اہلِ دُنیا کے نزدیک بھی۔ مشہور ہے کہ کسی مجرد شخص نے کسی عیالدار سے پوچھا کہ خیریّت بھی ہے اُس نے بگڑ کر کہا کہ میاں خیریّت ہوگی تمہارے یہاں کہ نہ گھر نہ بار۔ اکیلی جان آخر نکھٹو ٹھیرے بس ہمارے یہاں کیوں خیریّت ہونے لگی خیریّت ہوتی ہے تم جیسے منحوسوں کے یہاں یہاں تو اللہ کے دیئے ہوئے بیوی بچّے بھی ہیں پوتے پڑپوتے بھی۔ نوکر چاکر بھی۔ کسی

کا سر دُکھ رہا ہے کسی کو دست آرہے ہیں۔ کسی کی آنکھ دُکھ رہی ہے ہمارے یہاں کیسی خیریت تم اکیلے اپنی جان لئے ہو اس لئے تمہارے یہاں ہمیشہ خیریت ہی خیریت رہتی ہے خدا نہ کرے وہ دن کہ ہمارے یہاں ایسی خیریت ہو سو واقعی بالکل سچ ہے کہ جتنا سامان بڑھتا ہے غم بھی بڑھتا جاتا ہے ایک حکایت ہے گلستان میں کہ کسی فقیر کو بادشاہت مل گئی تھی کسی نے مبارکباد دی تو اس نے کہا کہ میاں مبارکباد کاہے کی دیتے ہو۔ دی روز غم نانے داشتم امروز غم جہانے۔ بچوں کو کہا کرتے ہیں کہ بادشاہ ہیں سبحان اللہ بادشاہی کی حقیقت کیا ہے بچپن کے زمانہ کے سامنے بادشاہوں کو تو ہم سے زیادہ فکر ہے ان سے تو غریب ہی زیادہ بے فکر ہیں۔ بچّے تو بالکل ہی بے فکر ہوتے ہیں ان سے نسبت کیا بادشاہوں کو۔ خلاصہ یہ کہ جتنا سامان بڑھتا جاتا ہے اتنی ہی پریشانی بڑھتی چلی جاتی ہے خوب فرماتے ہیں ایک بزرگ ؎

وَمَنْ یَّحْمَدُ الدُّنْیَا لِعَیْشٍ یَسُرُّهٗ   فَسَوْفَ لَعَمْرِیْ عَنْ قَلِیْلٍ یَلُوْمُهَا

یعنی جو آج ترقی کی ترغیب دے رہا ہے وہ بہت جلد خود اُس کی مذمّت کرے گا ؎

اِذَا اَدْبَرَتْ کَانَتْ عَلَی الْمَرْءِ حَسْرَةً
وَاِنْ اَقْبَلَتْ کَانَتْ کَثِیْرًا هُمُوْمُهَا

دُنیا ایسی چیز ہے کہ جب یہ آتی ہے تو سیکڑوں پریشانیوں کو اپنے ساتھ لاتی ہے اور جب یہ جاتی ہے تو حسرت و افسوس چھوڑ جاتی ہے نہ اس کا آنا پریشانی سے خالی نہ اس کا جانا پریشانی سے خالی شروع سے اخیر تک بس پریشانی ہی پریشانی ہے۔ سو واقعی حضرت خدا

تکلف سے توبچادے۔ دُنیا ہو مگر بقدر ضرورت۔ لیکن اس کا زیادہ ہونا ہے پوری مُصیبت۔ مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ دے دیا بس قبضہ میں آتے ہی سبق شروع ہوگیا اب اس کی حفاظت کی فکر میں ساری ساری رات نیند نہیں آتی غرض اس کے آتے ہی پریشانی تو نقد موجود ہے چور صاحب اگلے ہی دن ساری کی ساری رقم ایک ساتھ اڑا ہی لے جاویں اور ان صاحب کو اسے برتنے کا موقع بھی نہ ملے پھر اس کے چوری جانے کے بعد جو غم اور پریشانی ہوئی وہ نفع میں رہی۔ مشہور ہے کہ ایک چور کسی کا گھوڑا چُرا کر لایا راستہ میں ایک اور چور ملا جو اس سے بھی زیادہ شاطر تھا۔ اُس نے پوچھا کہ میاں گھوڑا بیچتے ہو۔ انھیں بھلا ایسا موقع کہاں ملتا کہ اِدھر چُرا کر لائے اُدھر خریدار موجود۔ پکڑے جانے کا بھی کھٹکا نہ رہے کہا ہاں بیچتے تو ہیں۔ دوسرے چور نے کہا کہ بھائی پہلے سوار ہو کر دیکھ لیں کہ کوئی عیب تو نہیں لو تم میری جوتیاں تھام لو میں آٹھ دس قدم اسے چلا کر دیکھ لوں۔ جوتیاں تو اس کے ہاتھ میں دیں اور رکاب میں پاؤں رکھ اُوپر چڑھ ایڑ مار یہ جا اور وہ جا۔ چور صاحب جوتیاں ہاتھ میں لئے دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔ کسی نے پوچھا میاں جو تم گھوڑا لئے جا رہے تھے وہ کیا ہوا۔ کہا بیچ دیا۔ کہا ہاں بیچ دیا۔ پوچھا کتنے میں گیا کہا جتنے میں لائے تھے اتنے میں گیا اور یہ جُوتی نفع میں رہی مُفت لیا تھا مُفت گیا یہ جُوتیاں نفع میں ملیں خیر بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی۔ اِسی طرح وہ ایک ہزار روپیہ کیا آئے ایک مصیبت اپنے ساتھ لائے اور گئے تو ایسی برکت کر گئے ایک تو روپیہ جانے کا غم اُوپر یہ پریشانی مُفت کی کہ پولیس میں رپٹ لکھاؤ مستغیث نہ بنو تو جُرم اور بنو تو سیکڑوں جھگڑے ایسے موقعوں پر بعضی پولیس اُلٹا مستغیث سے وصُولی کرتی ہے نہ دو تو

رپٹ کو جھُوٹا قرار دے کر اُلٹا مستغیث کا چالان کر دے یہ پریشانی اور پولیس کا خوف گھاٹے میں رہا جیسے اُس چور کو جُوتیاں نفع میں رہی تھیں بڑے جُوتے تو یہ ہیں کہ ہزاروں طرح کے غم روپیہ کے آنے کی اتنی خوشی نہ ہوتی تھی جتنا کہ جانے کا غم ہوگیا۔ رات بھر تو حفاظت کی فکر میں چین نہ آیا اور صبح دیکھتے ہیں تو صندوقچہ ندارد۔ میں اپنی ہی کہتا ہوں میرے پاس کوئی چیز ہدیہ آتی ہے تو آتے ہی بس غم سوار ہو جاتا ہے کہ اس کو کس کام میں لاؤں۔ جب تک اس کی ضرورت ذہن میں نہیں آجاتی ہمیشہ اس کی فکر رہتی ہے کہ کہاں استعمال کروں ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ کی ناشکری نہ ہو کہ نالائق ہم تو تجھے دیتے ہیں اور تو گھبراتا ہے۔ بعضی چیز تو ایسی ہوتی ہے کہ آتے ہی کام میں آجاتی ہے لیکن بعضی چیز ایسی آتی ہے کہ سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اس کا کروں کیا یا تو کسی کو دے دی یا اگر بخل کا غلبہ ہوا تو سوچا کہ اجی مُفت کسی کو کیوں دیں۔ لاؤ بیچو جی۔ چنانچہ بیچ کر دام کھرے کر لئے اور ضروری موقعوں پر خرچ کر لیا۔ الحمدللہ خیر صلاً اس کا موجود رہنا بار ہوتا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ گھروں میں سامان کثرت سے بھرا پڑا ہے اور اس کے استعمال کی کبھی عمر بھر نوبت نہیں آتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قلب پر ایسے فضول سامان کا بار ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو میں ضرور کہوں گا کہ قلب بے حس ہوگیا ہے ورنہ ضرور اُلجھن ہوتی ہے مجھے تو اس تصوّر ہی سے وحشت ہوتی ہے کہ میری مِلک میں بھی ضرورت سے زیادہ چیزیں ہوں چاہے اِن چیزوں سے خود مجھے سابقہ کبھی نہ پڑتا ہو لیکن خیال ہوتا ہے کہ میری مِلک ہی میں ایسی فضول چیزیں کیوں ہوں۔ آخر ان کا ہوگا کیا۔ بہت ہی اُلجھتی ہے طبیعت کہ جو چیز کام میں نہ آوے وہ گھر میں کیوں

رہے مفت میں پہرہ چوکی دینا۔ حمال ہونا۔ مزدور بنا۔ فضول کا دردِسر۔ خوب کہا ہے صائب نے ؎

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب معاش

آنچہ ما در کار داریم اکثرے درکار نیست

(حرص سے چھٹکارا نہیں ورنہ زندگی میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی ضرورت ہی نہیں)

واقعی ہر شخص ٹٹول کر دیکھ لے کہ جتنی چیزیں گھر میں موجود ہیں اکثر ضرورت کی نہیں ہیں بلکہ بعض اوقات تو چیز کے آنے پر ضرورت تصنیف کی جاتی ہے کہ فلانے کام میں لگا لیں گے۔ چیز کیا آئی ایک کام بڑھ گیا۔ اب تک جو نہ تھا لیجئے آج وہ شغل بھی تیار ہے۔ اے اللہ جن کے یہاں سامان بے حد بھرا پڑا ہے انہیں کیسے چین آتا ہوگا۔ وہ سامان کہ جس کی فہرست بھی نہیں کہ کیا کیا چیز ہے اور جس کی خبر بھی نہیں کہ کہاں پڑا سڑ رہا ہے اور جو اس طرح حاصل کیا گیا تھا کہ کبھی کا گلا کاٹ کر کسی کا حق مار کر سیکڑوں گناہ سمیٹ کر وہ آج یوں بیکار پڑا گو کھا رہا ہے۔ یوں ہی پڑا پڑا دیمک لگ کر ختم ہو گیا اور مالک صاحب کو پتہ بھی نہیں۔ اچھولی ضلع میرٹھ میں ایک دلہن جہیز میں پندرہ سو کے کپڑے لائی تھی۔ بھلا کس کام آویں گے۔ ان سب کے استعمال کی کبھی نوبت نہ آوے گی کیونکہ وہ تو اتنے ہیں کہ پرنواسی بلکہ سگر نواسی تک بھی ختم نہ ہوں۔ بس ہمیشہ ہوا اور دھوپ دیا کرو اور پھر ویسے کے ویسے ہی بند کر کے رکھ دو۔ بھلا کیا فائدہ نکلا سوا اس کے کہ ایک شغل بڑھ گیا۔ یہ ابا جان نے سلوک کیا کہ اچھی خاصی مصیبت عمر بھر کے لئے جان کو لگا دی۔ یہ ہے زیادہ اسباب کی خرابی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کی حس ہی باطل ہو گئی ہو اور اس کو یہ مصیبت مصیبت ہی نہ معلوم ہوتی ہو جیسے حس باطل ہو جاتی ہے کوکین سے۔ جیسے کوکین کھاتے

کھاتے زبان بے حس ہو جاتی ہے اسی طرح چونکہ خرافات کے عادی ہو رہے ہیں اس لئے قلب بے حس ہو گیا ہے لیکن ایک وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ یہ سُن اُترے گی اُس وقت یہ افکار سانپ اور بچھو کا کام دیں گے۔ وہ کون سا وقت ہوگا۔ وہ ہوگا موت کا وقت چنانچہ حدیث میں ہے اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا اِنْتَبَهُوْا مرتے وقت آنکھ کھلے گی اس وقت ادراک درست ہوگا۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ غم جائداد کا۔ ساز و سامان کا۔ گھر کا لیکن فضولیات کا ضروریات کا نہیں کیسا ستاتا ہے اس وقت احساس ہوگا کہ قلب پر ان کی جدائی سے کس قدر بار اور گرانی ہوتی ہے۔ کوئی غم سانپ کی خاصیت رکھے گا۔ کوئی بچھو کی خاصیت کہ ہائے میں چلا۔ ہائے یہ ساری چیزیں مجھ سے چھوٹیں ہائے میرے بعد نہ جانے ان کا کیا حال ہوگا۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ (اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ پٹ جاتی ہے۔)

خدا بچائے جس نے تعلقات ضرورت سے زیادہ بڑھا رکھے ہیں اور انہیں میں رات دن انہماک ہے اس کو سخت کشاکشی پیش آنے والی ہے مرنے کے وقت سانپ بچھوں کا قبر میں تو عذاب ہو ہی گا۔ اس کا نمونہ مرنے کے وقت دُنیا ہی میں دیکھ لے گا۔ جن صاحبزادہ کے واسطے جائداد چھوڑ جانے کی فکر میں حلال حرام کی تمیز نہ کی وہ خوش ہیں کہ ابا مر رہے ہیں خوب گلچھرے اڑاویں گے یا وا جان کی مصیبت ہے کہ چاروں طرف کے خیالات سانپ بچھو بن کر لپٹ رہے ہیں لیکن اے صاحب آپ نے ہی تو یہ سانپ پیلے ہیں خود بخود تو جمع نہیں ہو گئے۔ میں پھر کہے دیتا ہوں اور بار بار کہے دیتا ہوں کہ یہ سب تقریر فضولیات کے متعلق ہے ضروریات اس سے بالکل مستثنیٰ ہیں لیکن ضروریات وہ جو

واقعی ضرورت ہو تصنیفی ضرورت نہیں۔ یعنی بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے پاس وہ چیزیں نہیں ہیں ان کا ان کے بغیر کچھ بھی حرج نہیں۔ بعضی چیزوں کے تو نام بھی ہمیں نہیں معلوم مثلاً جواہرات ہمارے پاس نہیں ہیں تو بدون ان کے ہمارا کون سا کام اٹکا ہوا ہے۔ ان کے حصول کے درپے ہونا ہی فضول حرکت ہے یا نہیں۔ البتہ جو چیزیں فضول نہیں ان سے ہم تعرض نہیں کرتے۔ اب تقریبات میں جو محض نام و نمود اور شان کے لئے فضولیات میں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے ان کی بھلا کون ضرورت ہے یہ سب تصنیف کی ہوئی فرضیں ہیں۔ اوّل ایسی ضروریات تصنیف کیں پھر ان کے پورا کرنے کے لئے جائز ناجائز بٹورنا شروع کر دیا۔ پھر اسی طرح سلسلہ وار لاکھوں ضرورتیں اپنے سر لپٹائی ہیں۔ ہر ہر چیز عذاب ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ط یعنی آپ کو خوشنما نہ معلوم ہوں ان کے اموال و اولاد کیونکہ اللہ تعالیٰ یوں چاہتا ہے کہ اولاد اور اموال سے انہیں دنیا ہی میں عذاب دیں آخرت میں عذاب الگ ہوگا۔ دنیا ہی میں اولاد و اموال کو آلہ تعذیب بنا دیں۔ دنیا ہی میں عذاب ہو جاوے۔ حقیقت میں عذاب ہی ہے۔ بعضوں کو تو مال کی حفاظت کی فکر میں سونا نصیب نہیں ہوتا۔ جیسے سانپ خزانہ پر جاگتا ہے ویسے ہی یہ لوگ رات بھر جاگتے ہیں اس بہانہ سے تہجد بھی شروع کر دیا ذکر و شغل بھی کر رہے ہیں اور غرض وہی ہے حفاظت مال۔ اگر آج سارا ذخیرہ جاتا رہے تو پھر تہجد بھی ختم پھر کہاں کا ذکر اور کس کا شغل تو رات بھر خود اس طرح پہرہ دیتے ہیں کیونکہ چوکیداروں پر بھی کیا بھروسہ

اگر جائداد ہوئی تو مقدمہ بازی سے فرصت نہیں کبھی تو اس کی فکر کہ فلانے نے نالش کر دی ہے ایک جگہ جیتے دوسری جگہ ہارے اسی طرح ہائیکورٹ پہنچتے پہنچتے ہزاروں کے وارے نیارے ہو گئے اگر ہائیکورٹ تک پہنچ کر اخیر میں نالش خارج بھی ہو گئی تب بھی پورا کورٹ تو ہو ہی گیا۔ کبھی اس کا غم کہ ہائے اتنا تو خرچ کیا پھر بھی مقدمہ خارج ایک مصیبت ہے ؎

چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

یہی اولاد کی کیفیت ہے اوّل تو مدتوں کی آرزوؤں کے بعد خدا خدا کر کے اولاد ہوئی پھر کوئی بچہ بیمار ہوا یہاں تک کہ مایوسی تک نوبت پہنچ گئی۔ اب پریشان ہیں کہ اے اللہ کیا ہوگا۔ اگر یہ مر گیا تو میں کیونکر زندہ رہوں گا۔ ہائے کیا حال ہوگا۔ قبل از مرگ واویلا۔ مرنے کا اتنا غم بھی نہ ہوگا جیسی تکلیف اس سوچ میں ہے کہ ہائے اگر مر گیا تو کیا ہوگا۔ غرض کسی طرح چین نہیں بے چین ہیں پریشان ہیں۔ یہ مزا ہے اولاد کا اور اموال کا۔ فرمائیے یہ مصیبت ہے یا نہیں اسی کو فرماتے ہیں ع اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا ہی میں آلہ عذاب ہے جس کے پاس مال اور اولاد کی کثرت ہے اس کی حالت یہ ہے کہ ہر وقت ایک عذاب جان میں مبتلا ہے پھر بتلائیے ایسے شخص کی بابت کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ چین میں ہے ہرگز نہیں۔ دنیا دار کوئی چین میں ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے ایک حکایت نہایت مطلب خیز اور میرے اثبات مدعا میں واضح اور صریح اپنے استاد مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے سنی ہے کہ کسی شخص کو جو دلی کا رہنے والا تھا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی بڑی تمنا تھی کیونکہ سنا تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام بڑے مقبول الدعوات ہیں ان سے دعا کرائیں گے بعضوں کو یہ خبط بھی ہوتا ہے اور اس

خبط میں ان کی حیات اور موت کو پوچھتے ہیں۔ چنانچہ جب میں دیوبند میں پڑھتا تھا ایک صاحب کا خط حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں آیا تھا۔ اس میں پوچھا تھا کہ آیا حضرت خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں۔ مولوی صاحب تھے بڑے زندہ دل۔ جواب لکھوایا کہ بھائی ان کا میرے پاس بہت دنوں سے کوئی خط نہیں آیا خبر نہیں زندہ ہیں یا مر گئے۔ بہت دن سے خیریت نہیں آئی۔ جب کوئی خط آوے گا تو اطلاع دوں گا۔ لوگ بھی کیا فضول سوال کرتے ہیں۔ مطلب کیا ہمیں اس تحقیق سے۔ ہمارے خضرؑ اور ہمارے عیسیٰؑ کون ہیں۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جن کی وہ شان ہے کہ اگر اس زمانہ میں سارے انبیاء دوبارہ دنیا میں تشریف لے آویں تو سب آپ کے امتی ہو کر رہیں چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے تشریف لاویں گے تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعت کے تابع ہوں گے پھر بھی ہم کو خضر علیہ السلام کی ڈھونڈھ ہے بس ہمیں تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کافی ہیں ہمیں کسی کی تلاش نہیں چاہیئے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت خضر علیہ السلام خود ایک بار تشریف لائے اور مصافحہ کیا۔ مصافحہ کر کے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد۔ حضرت خضر نے فرمایا کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں حضرت ابراہیم بولے میں نے اس کی کچھ ضرورت نہیں سمجھی انہوں نے فرمایا کہ میں خضر ہوں۔ آپ نے فرمایا ہوں گے۔ یہ کہہ کر پھر مشغول ہو گئے۔ حضرت خضر نے فرمایا کہ بھائی تم تو بڑی بے پرواہی سے ملے لوگ تو برسوں میرے ملنے کی آرزو میں رہتے ہیں اور ملاقات نہیں ہوتی۔ فرمایا بڑے نادان ہیں جو خدا کی طلب کو چھوڑ کر آپ کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ حضرت خضر نے فرمایا نہیں

خدا ہی کے واسطے مجھے ڈھونڈتے ہیں مجھ سے دعا کراتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا کہ اچھا آپ میرے لئے یہ دعا کر دیجئے کہ میں نبی ہو جاؤں، فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا۔ کہا یہ نہیں ہو سکتا تو آپ مہربانی کر کے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے میرا حرج ہوتا ہے خیر یہ تو ان کا ایک حال ہے۔

ایک وہ لوگ ہیں کہ حضرت خضر کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں لیکن ملتے نہیں۔ ایک یہ تھے کہ خود ان پاس آئے اور انھوں نے پروا بھی نہ کی وہ شخص بھی وظیفہ پڑھتا تھا دعا کراتا تھا لیکن حضرت خضرؑ ملتے ہی نہ تھے اتفاق سے ایک روز کہیں مل گئے اس شخص نے پہچانا نہیں کیونکہ ظاہری کوئی علامت تو تھی نہیں اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ ان کے ہاتھ کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہوتی لاحول ولا قوۃ۔ بالکل واہیات۔ لغویات۔ غرض حضرت خضرؑ نے خود ہی اس شخص سے کہا کہ میں خضر ہوں، کہہ کیا کہتا ہے میری اس قدر کیوں تلاش تھی۔ احمق نے طلب بھی کیا تو کیا کہتا ہے کہ حضرت میرے لئے یہ دعا کر دیجئے کہ میں دنیا میں بیفکر ہو کر زندہ رہوں۔

حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ ارے یہ نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں بے فکری نصیب ہو اس نے دوبارہ عرض کیا کہ حضرت آپ دعا تو کر دیں حضرت خضرؑ نے پھر وہی کہا۔ ارے بھائی میں ایسی دعا کر نہیں سکتا ایسے کام کے لئے کیا دعا کروں جو ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر بیٹا کہے کہ میرے لئے یہ دعا کر دو کہ میں اپنے باپ کا بھی باپ ہو جاؤں تو بھلا یہ ہے نا لغو فرمائش کیونکہ ایسا ممکن ہی کہا ہے۔ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت خضرؑ نے اپنے اخلاق سے یہ جواب دیا کہ خیر ایسی دعا مانگنا تو بے ادبی کی بات ہے

کیونکہ ایسا ہونا عادت اللہ کے خلاف ہے ، ہاں تم تمام دلی میں جس کو اپنے نزدیک بیفکر سمجھو اسے منتخب کر لو پھر میں یہ دعا کروں گا کہ اے اللہ یہ شخص بھی ایسا ہی ہو جاوے جیسا فلانا۔ میں تمہیں چھ مہینہ کی مہلت دیتا ہوں اس درمیان میں اطمینان سے تلاش کر رکھنا میں چھ مہینہ کے بعد پھر تم سے ملوں گا اس وقت اپنی رائے سے مطلع کرنا وہ شخص دل میں بڑا خوش ہوا کہ یہ کیا مشکل بات ہے۔ دلی میں ہزاروں امراء ہیں۔ شاہی کارخانہ ہے۔ بڑے بڑے دولتمند اور رئیس موجود ہیں۔ ایسا شخص مل جانا بہت آسان ہے چنانچہ اس نے دلی میں گھومنا شروع کیا اور ایک ایک رئیس کو دیکھنا شروع کیا جب کسی شخص کے بارے میں رائے قائم ہوتی کہ اس جیسا ہونے کی دعا کراؤں گا۔ اندرونی حالات تفتیش کرنے پر وہ بھی کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا نکلتا یہاں تک کہ چھ مہینے کی میعاد ختم ہونے کو پہنچی۔ اب انھیں بڑا تردد کہ حضرت خضرؑ کو کیا جواب دوں گا۔ معلوم ہوتا ہے واقعی دنیا میں کسی کو آرام نہیں چین جس کا نام ہے کسی کو میسر نہیں۔ اخیر میں ایک جوہری پر اس کا گذر ہوا۔ دیکھا کہ لاکھوں کا کارخانہ ہے۔ بڑا ساز و سامان۔ سیکڑوں مکان اور دکانیں۔ عالیشان فرش فروش حشم خدم۔ اولاد بھی کثرت سے غرض سارا سامان عیش کا موجود ہے۔ اور خود گاؤ تکیہ لگائے نہایت اطمینان کے ساتھ ہٹا کٹا سرخ سپید بیٹھا ہوا ہے۔ کچھ کام بھی نہیں کارندے ایسے معتمد کہ سب کام انھیں کے ذریعہ سے نہایت خوبی اور انتظام کے ساتھ ہو رہے ہیں اس جوہری کو دیکھ کر یہ حضرت بڑے خوش ہوئے کہ الحمد للہ جیسا شخص میں چاہتا تھا ویسا مل گیا۔ بس اسی جیسا ہونیکی دعا کراؤں گا۔ لیکن

سوچا کہ بھائی احتیاطاً اس سے مل تو لو چنانچہ ملے اور سارا قصہ حضرت خضر کی ملاقات کا اور اپنی دعا کی درخواست کا سنایا اور کہا کہ ساری دلی میں بس تم ایک شخص ملے ہو جن کو کوئی فکر نہیں۔ اب میں حضرت خضر سے یہی دعا کراؤں گا کہ تم جیسا ہو جاؤں۔

یہ سن کر اس جوہری نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ للہ مجھ جیسا ہونے کی دعا ہرگز نہ کرانا۔ مجھ جیسا تو خدا دشمن کو بھی نہ کرے جس مصیبت میں میں مبتلا ہوں وہ دشمن کو بھی نہ ہو۔ اس کو بڑا تعجب ہوا کہا میاں تم صاحب جائداد ہو، صاحب اولاد ہو۔ تندرست ہو۔ ہر طرح کا آرام ساز و سامان حشم خدم، نوکر چاکر دنیا بھر کی نعمتیں موجود ہیں اور پھر کوئی کام بھی نہیں اب اور کیا چاہیئے۔ پھر بھی کہتے ہو کہ ایسی مصیبت خدا دشمن کو بھی نہ دکھلائے۔ بڑی ناشکری حق تعالیٰ کی ہے۔ جوہری نے کہا کہ خیر اب تم سے کیا چھپاؤں۔ بھائی میری تو بڑی دردناک حکایت ہے۔ ماجرا یہ ہے کہ جب میری شادی ہوئی تو قسمت سے بیوی مجھے نہایت حسین جمیل ملی اس سے مجھے بیحد محبت ہو گئی شادی ہونے کے تھوڑے ہی دن بعد وہ سخت بیمار ہوئی یہاں تک کہ مایوسی تک پہونچ گئی میں رونے لگا اس نے کہا یہ سب جیتے جی کی محبت ہے۔ مردوں کو کبھی باوفا نہیں دیکھا یہ لوگ بڑے بے وفا ہوتے ہیں میں مر جاؤں گی تم دوسری شادی کر لو گے۔ میں نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا میری محبت تمہارے ساتھ بھلا ایسی ہے تمہارے بعد میں کہیں دوسری بیوی کر سکتا ہوں یہ تم کیا خیال کرتی ہو۔ اس نے کہا یہ سب باتیں ہیں کہیں آج تک کوئی بھی رکا ہے جو تمہیں رکے رہو گے۔ چونکہ مجھے اس سے واقعی بے حد محبت تھی میں نے کہا کہ اچھا تمہیں یوں یقین نہیں آتا تو لو

میں ضرورت ہی کو حذف کئے دیتا ہوں اور وہیں استرا لے کر بس نے اپنا اندام نہانی کاٹ کر الگ کر دیا، اور کہا اب تو تمہیں یقین آوے گا۔ کیونکہ جڑ ہی نہ رہی جو ضرورت شادی کی ہو۔ اس بھلے مانس نے بھی کمال ہی کیا کہ اڈا ہی اڑا دیا۔ جیسا ایک افیونچی نے کیا تھا۔

ایک افیونچی صاحب پینک میں بیٹھے مزے لے رہے تھے ایک مکھی بار بار اس کی ناک پر آ بیٹھتی وہ جھنجھلا کر اُسے اڑا دیتا، پھر آ بیٹھتی پھر اڑا دیتا پھر آ بیٹھتی بعض مکھی کچھ ہوتی ہی ہے ایسی ضدی۔ آپ کو جو غصہ آیا تو استرا لے کر اپنی ناک ہی اڑا دی اور مکھی کو خطاب کر کے بڑے اطمینان سے کہتے ہیں کہ لے سُسری اب بیٹھ کہاں بیٹھتی ہے اب تیرا اڈا ہی نہیں رہا جہاں بیٹھے۔

اسی طرح ان حضرت نے بیوی کے سارے احتمالات کی جڑ ہی کو اڑا دیا قصہ مختصر کہ وہ کمبخت پھر مری نہیں اچھی ہو گئی۔ اور اب تک زندہ ہے ادھر میں بیکار ہو ہی چکا تھا۔ اُدھر اس کی جوانی۔ بس اس نے میرے نوکروں سے ساز باز کر لی۔ اب یہ جس قدر اولاد تم دیکھتے ہو یہ سب میرے نوکروں کی عنایت ہے۔ ایک مدت ہوئی اس بیحیائی کو کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں لیکن کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بھلا کیا منہ لے کر روکوں اور کس برتے پر منع کروں۔ رات دن اسی غم میں گھلتا ہوں اور کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر وہ شخص انگلی منہ میں داب کر حیرت میں رہ گیا، اور افسوس کرنے لگا۔

جوہری نے کہا کہ میں تو تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھ جیسے ہونے کی ہرگز دعا نہ کرانا لیکن تمہاری سمجھ میں آتا ہی نہ تھا۔ اب تو معلوم ہو گیا اور میں یہ بھی تم سے کہے دیتا ہوں کہ دِلّی تو دِلّی دنیا میں کوئی شخص ایسا نہ ملے گا جو بے فکر ہو۔ تم کس خبط میں مبتلا ہو۔ اس خیال کو چھوڑو اور جاؤ آخرت کی درستی

کی دعا کراؤ۔

میعاد مقررہ ختم ہونے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام پھر اس شخص کو ملے دریافت فرمایا کہو کیا رائے ہے کونسا شخص تم نے منتخب کیا اُسے بڑی ندامت ہوئی عرض کیا کہ حضرت کیا عرض کروں، واقعی حضرت سچ فرماتے تھے اب مجھ کو اس کا عین الیقین ہو گیا کہ دنیا میں کوئی چین سے نہیں۔

حضرت خضر ہنسے فرمایا کہ ہم نہ کہتے تھے لیکن تمہیں یقین ہی نہ آتا تھا اب تو دیکھ لیا خیر اب بولو کیا چاہتے ہو۔ عرض کیا کہ حضرت بس آخرت کی درستی کی دعا کر دیجئے۔ چنانچہ حضرت خضر نے دعا فرمادی اور وہ شخص ولی کامل ہو گیا۔ سو حضرت واقعی دنیا میں کہیں چین نہیں ہے۔ تلاش کر کے دیکھو تب میرے کہنے کا یقین آوے۔ یہ میرا دعویٰ ویسے لفظاً تو مختصر سا ہے لیکن باعتبار تحقیق کے بہت بڑا ہے۔ بالکل سچی بات ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں میں تم کو کیسے یقین کرا دوں محض دلائل عقلیہ اس کے لئے کافی نہیں ہیں بلکہ یہ تو مشاہدہ کے متعلق ہے۔ آپ ایک سرے سے سب سے بڑے بڑے دنیاداروں کو دیکھنا شروع کیجئے کبھی کسی کو چین سے نہ پائیں گے۔ اگر اس میں بکھیڑا سمجھیں تو میں ایک بات مشابہ دلیل عقلی کے عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ ہر شخص اپنے معاملات میں غور کرلے کہ اول تو کسی کی ہر تمنا پوری ہوتی نہیں کچھ نہ کچھ کسر رہ جاتی ہے لیکن خیر اگر کسی طرح سارا سامان راحت بہم پہنچا بھی لیا جاوے تب بھی چین جس کا نام ہے وہ ہرگز کسی کے قبضہ میں نہیں۔ بڑے بڑے سامان والوں کو بھی دنیا میں راحت میسر نہیں عادت اللہ یوں ہی جاری ہے۔

اب دوسری حالت کو لیجئے یعنی جو خدا کی یاد میں مشغول ہیں کیا معنی

کہ جو اسکے دھیان میں رہتے ہیں اور اس کی پوری پوری اطاعت کرنے والے ہیں۔ کیونکہ بیٹھ کر اللہ اللہ کر لینا محض یہی نہیں اللہ کی یاد پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ یاد کسے کہتے ہیں یاد میں سب داخل ہیں نام جپنا، دھیان رکھنا اسکے ساتھ تعلق پیدا کرنا اور اصلی یاد یہی ہے۔ اسکو حکیم سمجھنا یعنی اسکی حکمت کا اعتقاد رکھنا۔ اس کو رحیم سمجھنا یعنی اسکی رحمت کا اعتقاد رکھنا یہ سب خدا کی یاد میں داخل ہے جس نے اس طریقہ سے اللہ کی یاد کی واللہ آپ دیکھ لیجئے گا اور میں تو بعد دیکھنے ہی کے کہتا ہوں کہ وہاں ایسا سخت قرنطینہ ہے کہ گو جسم پر اثر ہو لیکن انکے قلب تک پریشانی نہیں پہونچتی، یہ میں نہیں کہتا کہ وہ کسی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتے یا ان کا کوئی دشمن نہیں ہوتا یا انکی کوئی غیبت نہیں کرتا ان کو کوئی بُرا بھلا نہیں کہتا۔ یہ سب قصے ہوتے ہیں اور ان قصوں سے انھیں غم بھی ہوتا ہے، رنج بھی ہوتا ہے۔ تکلیف بھی پہنچتی ہے یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن پریشانی اور الجھن نہیں ہوتی جو کہ اصل چیز ہے۔ تکلیف کی اگر کوئی ظاہری تکلیف بھی انہیں پہونچتی ہے تو اس میں بھی ان کے قلب کو چین ہی ملتا ہے وہ عین غم کی حالت میں بھی مسرور رہتے ہیں آپ کہتے ہوں گے کہ یہ شخص عجیب اُلٹی تقریر کر رہا ہے اجتماع ضدین ثابت کرنا چاہتا ہے جو کہ تمام عقلاء کے نزدیک محال ہے لیکن نہیں میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ ہی کے مُنہ سے کہلوا لوں گا کہ یہ حالت ممکن ہے اور دنیا میں بکثرت واقع ہے۔

فرض کیجئے آپ کا کوئی محبوب ہے جس کی جدائی میں گھل گھل کر آپ کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ صرف ہڈیاں اور پسلیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اسی حالت میں مدتوں کے بعد دفعتاً کہیں وہ آ نکلا اور مشتاقانہ آپ کو بغل میں لے کر زور سے دبایا ادھر آپ غایت درجہ کمزور اور ناتواں اُدھر وہ ہٹا کٹا۔

بھلا میں اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو اس کے دبانے سے تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ تکلیف تو ایسی ہے کہ ہڈی اور پسلی ٹوٹی جاتی ہے لیکن یہ سوچئے کہ اس تکلیف کا اثر قلب تک بھی ہے یا نہیں۔ اگر آپ واقعی عاشق ہیں تو واللہ تکلیف تو کیسی قلب میں آپ محسوس کریں گے کہ گویا رگ رگ میں جان آ رہی ہے اور یوں کہیں گے ؎

این کہ می بینم بہ بیداری ست یارب یا بخواب

ہائے یہ میری قسمت کہ جس کو ایک نظر دیکھنا بھی نصیب نہ ہوتا تھا وہ اس طرح آ کر بغلگیر ہو حتیٰ کہ وہ محبوب اگر یوں کہے کہ میرا دبانا اگر تم کو ناگوار ہو تو یہ تمہارا رقیب موجود ہے جو میرا مشتاق ہے اور میرے ساتھ ہمکنار ہونے کا بہت آرزومند ہے۔ تمہیں چھوڑ کر اس کے ساتھ یہی معاملہ کرنے لگوں اگر تمہیں کچھ تکلیف ہو رہی ہو تو کہدو۔ ایسی حالت میں عاشق کیا کہیگا یہ کہیگا ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو۔ دوستوں کا سر سلامت رہے تاکہ تو خنجر آزمائی کرے)

بلکہ اگر سچ مچ قتل بھی کر دیوے تب بھی وہ بزبان حال یہی کہے گا ؎

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

قتل سے بھی اس کو کلفت نہ ہوگی اگرچہ تکلیف سے کراہے بھی تڑپے بھی

مگر وہ تکلیف طبعی ہوگی قلب کے اندر پریشانی نہ ہوگی اسی طرح اہل اللہ کو اگر کوئی صدمہ پیش آتا ہے تو اس کی وہی حالت ہوتی ہے جیسی میں نے ابھی بیان کی ہے کہ عاشق کو معشوق کے دبوچنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن اندر سے قلب نہایت راضی ہے نہایت خوش ہے، اس کے جسم کو تکلیف ہے لیکن روح کو آرام ہے۔ اگر ان کا بیٹا مرجائے تو وہ محزون بھی ہوں گے آنکھ سے آنسو بھی جاری ہوجائیں گے لیکن قلب کے اندر پریشانی نہ ہوگی کہ ہائے یہ کیا ہوگیا اب کیسی ہوگی ایسا نہ ہوتا تو اچھا ہوتا میں بقسم کہتا ہوں پھر بقسم کہتا ہوں اور پھر بقسم کہتا ہوں کہ یہ نہیں ہوتا کہ حسرت ہو اور ارمان ہو کہ ہائے یہ زندہ رہتا بلکہ ان کا قلب نہایت مطمئن ہوتا ہے کہ یہ بالکل مناسب ہوا الحمدللہ جو کچھ ہوا بہت ٹھیک ہوا۔ بالکل حکمت ہے سراسر رحمت ہے۔ بلکہ انھیں تفصیلاً حکمتیں معلوم ہوجاتی ہیں۔ ایمان ان کا درجہ حال میں ہوتا ہے۔ درجۂ اعتقاد میں تو سب مسلمانوں کا ہے ان کو حال کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی راز ہے کہ انھیں خدا سے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبت مخلوق) کے یہ نہیں ہے کہ انھیں مخلوق کی محبت نہیں ہوتی مخلوق کی محبت بھی ہوتی ہے لیکن واللہ ثم واللہ مخلوق کی محبت محبت حق کے مقابلہ میں بالکل مغلوب گویا معدوم ہوجاتی ہے موازنہ کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ غالب غالب ہی ہے اور مغلوب مغلوب ؎

چو سلطان عزت علم برکشد　　جہاں سر بجیب عدم درکشد

(جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر پڑتی ہے تو چیزیں فنا ہوجاتی ہیں)

؎ اگر آفتاب است یک ذرہ نیست
وگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست

(آفتاب کی حقیقت حق تعالیٰ کے سامنے ذرہ برابر بھی نہیں اور اگر سات سمندر ہوں تو ان کی حیثیت ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں۔)

جس وقت محبت حق کا غلبہ ہوتا ہے چاہے محبت مخلوق بھی ہو اور مخلوق کے کسی صدمہ سے کلفت بھی ہو لیکن اندر سے پریشانی نہیں ہوتی وہ کلفت پر بھی راضی ہے اور خوش ہے کہ ہمارے لئے یہی مصلحت ہے اسی میں حکمت ہے یہی حال اس کا دعا کے ساتھ ہے کہ عین دعا کے وقت بھی تقاضا نہیں ہوتا کہ ایسا ضرور ہو ہی جاوے اگر نہ ہو تو بھی تنگی نہیں ہوتی وہ اس پر بھی دل سے راضی ہے کہ خدا کی یہی رحمت ہے غرض مذہب اس کا یہ ہے ؎

چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش
چوں کشاید چابک و برجستہ باش

اور اس کا یہ مذہب ہوتا ہے ؎

نہ خوش تو خوش بود بر جان من
دل فدائے یار دل رنجان من

(محبوب کی طرف سے جو امر پیش آئے اگرچہ وہ مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے۔ میں اپنے یار پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرتا ہوں)۔

خواہ غم ہو یا خوشی راحت ہو یا تکلیف ہر حالت میں وہ راضی اور خوش ہے اس کا مذہب یہ ہوتا ہے ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

(آپ زندہ کریں تو عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ پر قربان ہوں۔ دل آپ پر فریفتہ ہے آپ کی خوشی میں میری خوشی ہے۔)

اب اس سے بڑھ کر کیا ہے کہ سب سے زیادہ مشکل اپنا مرنا ہے آدمی زبان سے تو کہتا ہے کہ مجھے مرنے کی کچھ پرواہ نہیں لیکن امتحان کے وقت اس کا دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے۔ تو سب سے بڑھ کر اپنی موت کا معاملہ ہے۔ لیکن اللہ والوں کو اپنی موت کی بھی پرواہ نہیں۔ اور ایک حیثیت سے اپنے مرنے سے بھی زیادہ اہم اپنی اولاد کا مرنا ہے کیونکہ وہ محبوب ہوتی ہے اور محبوب کی جان اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ مگر ان کی حالت موت اولاد کے وقت بھی یہ ہوتی ہے کہ ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوان صاحبزادہ کا عین عید کے دن انتقال ہوا ادھر جوان بیٹے کی نزع ہو رہی ہے اُدھر نماز کا وقت قریب ہے مولانا نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ لو بھائی خدا کے سپرد، ہم تو اب جاتے ہیں کیونکہ ہمیں نماز پڑھنی ہے انشاء اللہ اب قیامت میں ملاقات ہوگی۔ یہ کہہ کر رخصت ہوگئے اور نماز کا اہتمام شروع کر دیا آنکھ سے تو آنسو جاری تھے لیکن ایک کلمہ بے صبری کا زبان سے نہیں نکلا خوش تھے کہ اللہ کی یہی مرضی ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی کے جوان صاحبزادہ کا انتقال ہوگیا، لوگ تعزیت کے لئے آئے لیکن چپ بیٹھے ہیں کہ کیا کہیں۔ اہل اللہ کا رعب ہوتا ہے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ کچھ کہے اور آخر کہتے بھی تو کیا کہتے۔ اگر کہے کہ رنج ہوا تو اس کے اظہار کی کیا ضرورت اور کہے کہ صبر کیجئے تو وہ خود ہی کئے بیٹھے ہیں۔ آخر ہر جملہ خبریہ کی کوئی نہ کوئی غایت تو ہونی چاہیئے۔ بڑی دیر کے بعد آخر ایک نے ہمت کر کے کہا کہ حضرت بڑا رنج ہوا۔ فرمایا معلوم ہے کہنے کی کیا ضرورت ہے بس پھر سارا

مجمع چپ۔ لوگ آتے تھے اور کچھ دیر چپ بیٹھ کر چلے جاتے تھے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے انتقال کا صدمہ حضرت مولانا کو اس درجہ ہوا تھا کہ دست لگ گئے تھے اور کھانا موقوف ہوگیا تھا لیکن کیا مجال کہ کوئی کچھ ذکر کر دے۔ میں بھی اس موقع پر حاضر ہوا اب میں وہاں پہنچکر متحیر کہ یا اللہ کیا کہوں آخر چپ ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ ایک مولانا ذوالفقار علی صاحب تھے حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد بڑے عاشق مزاج اور حضرت حاجی صاحب کے والہ وشیدا۔ ان کا یہ رنگ تھا کہ جب میں حضرت حاجی صاحب کے انتقال کے بعد اول مرتبہ ان سے ملنے گیا تو میری صورت دیکھتے ہی بڑے جوش کے ساتھ کہا ؎

بنال بلبل اگر بامنت سر یاری ست
کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری ست

(اے بلبل اگر تجھ کو میرے ساتھ دوستی کا خیال ہے تو رونے لگ اس لئے کہ ہم دونوں عاشق زار ہیں اور ہمارا کام رونا ہے)

اور آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے میں بھی آبدیدہ ہوگیا۔ خیر وہاں کچھ دل کی بھڑاس نکلی حضرت مولانا گنگوہی پر اتنے بڑے بڑے صدمات پڑے لیکن کیا ممکن کہ کسی معمول میں ذرا فرق آجائے چاشت، تہجد، اوابین کوئی معمول قضا تو کیا کبھی موخر بھی نہیں ہونے پایا۔ یہاں تک کے کھانا بھی جب سامنے آیا تو اُسے بھی خدا کی نعمت سمجھ کر کھالیا آنے والے کو یہ حالت دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ انھیں کچھ بھی رنج نہیں حالانکہ رنج اس قدر ہوتا تھا کہ میں نے ایک عریضہ صاحبزادہ کی تعزیت کا لکھا تھا۔ اس کے جواب میں مجھے فقط یہ لکھا کہ "شدت ضبط سے قلب و دماغ ماؤف ہوگیا ہے"۔ مجھ کو حیرت ہوئی تھی کہ یہ بھی کیسے ظاہر فرمادیا۔ بجز عنایت تھی کہ اتنا

لکھدیا۔ ورنہ وہاں ضبط کی یہ شان تھی کہ کسی طرز سے پتہ نہ چلتا تھا نہ چہرہ سے نہ زبان سے وہی معمولات وہی اذکار اشغال وہی تعلیم تلقین کسی معمول میں ذرا فرق نہیں۔ واللہ یہ تعلق مع اللہ کی قوت ہے۔ یہ وہ قوت ہوتی ہے کہ ؎

موحد چہ برپائے ریزی زرش　　چہ فولاد ہندی نہی بر سرش

امید و ہراسش نباشد زکش　　ہمیں نست بنیاد توحید و بس

(موحد کے قدموں پر سونا نچھاور کردیا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھدو امید و خوف اس کو کسی سے نہ ہوگا بس توحید کی بنیاد یہی ہے)

ان کا اعتقاد اور حال یہ ہوتا ہے کہ لا معبود الا اللہ۔ لا حکیم الا اللہ۔ لا مقصود الا اللہ کسی چیز کا اثر ان پر نہیں ہوتا یعنی عقل کو اور حواس کو پریشان نہیں کرتا باقی اثر کیوں نہ ہوتا۔ وہ بےحس تھوڑا ہی ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی سی حس تو کسی میں نہیں ہوتی قلب پر بھی ان کے اثر ہوتا ہے مگر وہ اثر پریشانی کی حد تک نہیں پہونچتا بات یہ ہے کہ وہ سب شقوق پر رضا مند رہتے ہیں کہ یوں ہو جاوے بہت اچھا، یوں ہو جاوے بہت اچھا کسی حال میں ناراضی نہیں۔ میرے الفاظ نہیں ہیں اس کیفیت کے بیان کرنے کو خدا نصیب کرے تو معلوم ہو۔ نہایت ہی اطمینان ہوتا ہے قلب کو ذوقی امر ہے۔ بیان سے سمجھ میں آ نہیں سکتا تاہم ہم لوگوں کو اگر خود وہ کیفیت حاصل نہیں ہے تو اس کے آثار کو تو دیکھ لیں۔ آگ نظر نہ آوے تو اس کا دھواں تو نظر آتا ہے۔ دیکھئے سب سے بڑی چیز اپنی موت ہے اس کے ساتھ دیکھ لیجئے ان حضرات کا کیا معاملہ ہے۔ حضرت حافظ فرماتے ہیں اور کس ذوق و شوق سے فرماتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم

راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے

تا در میکدہ شاداں و غزلخواں بروم

(جس دن دنیا سے کوچ کروں وہ دن بہت اچھا ہے۔ راحت جاں طلب کروں اور محبوب حقیقی کے پاس جاؤں۔ میں نے نذر کی ہے کہ جب یہ دن آئے تو خوش و خرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں)

حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ پہلے عطاری کی دوکان کیا کرتے تھے ایک دن اپنی دوکان پر بیٹھے نسخے باندھ رہے تھے۔ ایک درویش کمبل پوش دوکان کے آگے کھڑے ہو کر انھیں تکنے لگے، دیر تک اسی حالت میں دیکھ کر حضرت عطار نے فرمایا کہ بھائی جو کچھ لینا ہو لو۔ کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔

درویش نے کہا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری دوکان میں خمیرے شربت معجونیں بہت سی چیکتی ہوئی چیزیں بھری پڑی ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ مرتے وقت تمہاری روح کیسے نکلے گی جو اتنی چیکتی ہوئی چیزوں میں پھنسی ہوئی ہے۔

اس وقت حضرت عطار کو باطن کا تو چسکا تھا ہی نہیں۔ بیدھڑک کہہ بیٹھے کہ جیسے تمہاری نکلے گی ویسے ہی ہماری نکل جاوے گی۔

درویش نے کہا کہ میاں ہمارا کیا ہے اور کمبل اوڑھ کر وہیں دوکان کے سامنے لیٹ گئے۔ اول تو حضرت عطار یہ سمجھے کہ مذاق کر رہا ہے لیکن جب بہت دیر ہو گئی تو شبہ ہوا پاس جا کر کمبل اُٹھایا تو وہ درویش واقعی مردہ تھا۔ بس ایک چھوٹ دل پر لگی اور وہیں ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے افاقہ ہوا تو دیکھا دل دنیا سے بالکل سرد ہو چکا تھا۔ اسی وقت دوکان لٹا کر کسی پیر کی تلاش میں نکلے۔ پھر وہ طریق کے اندر کتنے بڑے عارف ہوئے ہیں کہ مولانا فرماتے ہیں ؎

ہفت شہر عشق را عطار گشت — ماہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

(عطار کا عشق تو سات ولایت میں پھیل گیا مگر ہم ابھی تک ایک ہی کوچہ کے مٹکے میں پڑے ہیں)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر سلاطین کو اس دولت کی خبر ہو جاوے جو ہمارے پاس ہے تو تلواریں لیکر ہم پر چڑھ آویں کہ لاؤ ہمیں دو۔ واللہ یہی بات ہے اس دولت کے سامنے کچھ حقیقت نہیں سلطنت کی۔ حضرت حافظ فرماتے ہیں اور مجھ سے سوائے اس کے کہ جن کا یہ حال تھا ان کے اقوال نقل کروں اور کیا ہو سکتا ہے فرماتے ہیں ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے

بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

(ایک ساعت محبوب کو اطمینان سے دیکھنا دن بھر کی داروگیر شاہی سے بہتر ہے)

اسی کو خاقانی کہتے ہیں ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی

کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

(تیس سال بعد خاقانی پر یہ بات واضح ہوئی کہ ایک گھڑی خدا کی یاد میں مشغول ہونا ملک سلیمانی سے بہتر ہے۔)

بالکل سچی بات ہے میں کس طرح آپ کو یقین دلاؤں۔ ہاں ایک تدبیر بتلاتا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یوں سمجھ میں نہ آوے تو خود امتحان کر لیجئے اور جن کی یہ حالت ہے کچھ دن ان کے پاس رہ کر دیکھئے میرے دعوے کا یقین آجاوے گا۔ اس کام کے لئے چھ مہینے خالی کرو۔ تین ماہ تو دنیا کے

متمول لوگوں میں جا کر رہو اور تین مہینے اللہ والوں میں اور ان دونوں کی اندرونی حالت کی تفتیش کرو کہ کس کی زندگی کس طرح گذر رہی ہے۔ واللہ آپ دوزخ اور جنت کا فرق پاویں گے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ حضرات اہل اللہ کبھی بیمار نہیں پڑتے یا ان کا کوئی بیٹا نہیں مرتا یا ان پر کوئی مصیبت نہیں اول تو واقعی ان پر مصیبتیں کم آتی ہیں اور اگر ایسا موقع ہوتا بھی ہے تو وہ پریشان نہیں ہوتے۔ صورۃً نہیں بلکہ حقیقۃً پریشان نہیں ہوتے۔ اور یوں تو آخر وہ بھی بشر ہیں واقعات سے ان کو کوفت بھی ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات ان سے بعض معاصی بھی صادر ہو جاتے ہیں یہ نہیں ہے کہ وہ فرشتے ہو جاتے ہیں اور ان کو گناہ کا میلان ہی نہیں ہوتا جیسا کہ بعض عوام کا اعتقاد ہے۔ اور واقعی میلان کا ہونا یہی تو کمال ہے۔

گناہوں سے بچنے میں فرشتوں کا کیا کمال ہے کیونکہ انھیں میلان ہی نہیں ہوتا اس غرہ میں نہ رہنا حضرت ان کو میلان ایسا ہی ہوتا ہے جیسا اوروں کو بلکہ بعض دفعہ اوروں سے بھی زیادہ کیونکہ ان کی حس نہایت لطیف ہو جاتی ہے۔ مگر ہاں اس کے ساتھ ہی چونکہ اللہ تعالے سے پورا تعلق ہے اس لئے تقاضائے نفس کے روکنے میں جو کلفت ہوتی ہے اس کو برداشت کرتے ہیں اور واللہ اس کلفت میں بھی ایک لذت ہوتی ہے۔ سلطنت کی لذت میں بھی وہ مزا نہیں جو اس لذت میں ہے۔ اس کے سامنے سلطنت کی لذت کی کچھ حقیقت نہیں۔ مثلاً ابتلا ہو گیا کسی صورت کے ساتھ بلا قصد و باوجود اہتمام احتراز ہوتا ہے ایسا کیونکہ ادھر تو ان کا ادراک لطیف ہوتا ہے اور پھر کسی کی تحقیر قلب میں ہوتی نہیں اس لئے ان کو جس سے ہوتا ہے بیحد میلان ہوتا ہے۔ بس یہ حالت ہوتی ہے ؎

درون سینہ من زخم بے نشاں زدہٗ
بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدہٗ

(میرے سینہ میں تو نے نہ نظر آنے والا زخم لگایا ہے مجھے تعجب ہے کہ کس طرح تو نے بلا کمان کے تیر مارا ہے)

مگر ساتھ ہی چونکہ انھیں محبت کا تعلق حق تعالیٰ سے ہوتا ہے طبعی بھی اور عقلی بھی۔ اس لئے وہ محبت اس محبت پر غالب ہوتی ہے۔ اور وہ اس کو مغلوب کرتے ہیں عمل کر کے۔ یعنی اس کے مقتضا پر عمل نہ کرنا۔ کف عن المعصیت نظر کو روکنا خیال کو روکنا۔ تصورات کو روکنا گو اس میں سخت ضیق پیش آتی ہے لیکن اس کو برداشت کرتے ہیں اپنے محبوب حقیقی کے واسطے۔ پھر ایک وجدانی حلاوت محسوس ہوتی ہے اس کی بدولت۔ قول سعدی کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں ؎

خوشا وقت شوریدگان غمش   اگر ریش بینند و گر مرہمش

(اس کے غم کے پریشان لوگوں کا کیا اچھا وقت ہے اگر زخم دیکھتے ہیں اور اس پر مرہم رکھتے ہیں)

؎ دمادم شراب الم در کشند
دگر تلخ بینند دم در کشند

(ہر وقت رنج کی شراب پیتے ہیں جب اس میں رنج کی تلخی دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں)

بس ضبط کا کیا اثر ہوتا ہے۔ بس تھوڑے ہی دنوں کے بعد لذت آنے لگتی ہے کہ یہ ساری کلفت تھی کسی کے لئے اور بزبان حال کہتے ہیں ؎

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

(تیرے عشق کے جرم میں لوگ قتل کئے جا رہے ہیں ایک شور ہے تو بھی کوٹھے پر آگیا خوب تماشا ہے)

بس اس سے ان کو حظ ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی کے لئے یہ سب کلفتیں برداشت کر رہے ہیں ؎

خورند از برائے گلے خارہا   کشند از برائے دلے بارہا

(ایک پھول کے لئے کتنے کانٹے کھانے پڑتے ہیں۔ اسی طرح ایک دل کے پیچھے بہت سے غم برداشت کرنے پڑتے ہیں)

اور کبھی ہمت نہیں ہارتے ان کا عمل اس پر ہوتا ہے ؎

طلبگار باید صبور و حمول   کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

(طلب گار منزل کو صابر اور متحمل مزاج ہونا چاہئے۔ کیونکہ میں نے کبھی نہیں سنا کہ کیمیا گر رنجیدہ خاطر اور دل آزردہ ہو)

اور ان کا یہ مذہب ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں حضرت عارف شیرازی ؎

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم   کہ من نیز از خریداران اویم

(میرے لئے یہی کافی ہے کہ میرا محبوب مجھے جان پہچان لے کہ میں بھی اسکے خریداروں میں ہوں)

چاہے کوئی لذت بھی نہ ہو۔ فرحت بھی نہ ہو۔ اگر لذت اور فرحت کے لئے امتثال کیا تو کیا امتثال کیا۔ لذت اور فرحت کچھ بھی نہ ہو پھر بھی وہ یوں کہتے ہیں ؎

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم   کہ من نیز از خریداران اویم

بس فقط محبوب حقیقی کے راضی کرنے کے لئے ان سب کلفتوں کو برداشت کرو پھر خواہ وہ ان کلفتوں کو مٹا دیں نفس و شیطان پر غالب کر کے اور راحت

فرمادیں یا اسی طرح کشاکشی میں مبتلا رکھیں مگر اپنی طرف سے اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہ کرے۔ نفس کے روکنے میں جو کلفتیں پیش آویں برداشت کرو اور کچھ نہیں تو۔

وہ تو دیکھیں گے کہ میرے راضی کرنے کے لئے کیسے کیسے تقاضوں پر غالب آرہا ہے باقی میں بشارت دیتا ہوں کہ چند روز تو امتحان ہوگا پھر اُدھر سے مدد شروع ہوگی اور انشاء اللہ آپ کو سب تقاضوں پر غالب کر دیا جاویگا۔ کیوں صاحب پہلوانوں کو کشتی لڑتے نہیں دیکھا۔ پہلوان پورا زور صرف کرتا ہے تب مقابل کو پچھاڑتا ہے۔ بیکار ہو کر تو نہیں کھڑا ہوتا۔ اسی طرح تمہارا نفس و شیطان سے مقابلہ ہے اور تم یہ چاہتے ہو کہ دل کے اوپر کوئی مار نہ ہوا ور غلبہ ہو جاوے پوری کوشش کرو۔ سرکار عالی ہمت دیکھ کر اگر تم میں قوت بھی نہ ہوگی غالب آنے کی تب بھی غالب کر دیں گے۔ جب دیکھیں گے کہ عاجز آگیا ہے خود مدد فرمادیں گے تم اپنا سا زور کر کے تو دیکھ لو۔ اگر کہو کہ صاحب اختیار میں نہیں تو یہ صریح قرآن وحدیث کی تکذیب ہے۔ قرآن وحدیث سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے گناہ سے بچنے کی قدرت عطا فرمائی ہے اس قدرت سے کام لو جب تم عامل ہو گے تو تمہیں خود معلوم ہو جاوے گا کہ واقعی ہمیں قدرت حاصل ہے۔ رہا شیطان سو بخدائے لایزال میں سیکڑوں قسمیں کھاتا ہوں کہ مومن پر شیطان کا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ ہر مومن ہر شیطان پر غالب ہے۔ مثلاً نظر حرام کے موقع پر آنکھ اپنی نیچی رکھیں۔ پھر شیطان کیا زبردستی اس پر کرے گا۔ ہاں شاید کوئی شیطان الانس ایسا بھی کر دے تو آنکھیں بند کرلے اور اگر اس پر بھی نہ مانے اور زبردستی آنکھیں چیر کر کھولے تو نظر کی شعاع کو آگے نہ بڑھنے دے۔ یہ تو اس جابر کے اختیار میں نہیں۔

غرض کوئی بات نہیں جو انسان نہیں کر سکتا۔ ہاں تکلیف ضرور ہوتی ہے سو اس کو برداشت کرنا چاہیئے۔ خدا کے ساتھ تو نسبت اور پھر تکلیف سے بچنا چاہو۔ حضرت بلا تکلیف اُٹھائے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا ؎

ناز پرورد تنعم نہ برد راہ بدوست
عاشقی شیوہ رندانِ بلاکش باشد

اپنی طرف سے تو ساری عمر تکلیف میں رہنے کے لئے آمادہ ہو جانا چاہیئے پھر مالک چاہے دو دن بھی تکلیف میں نہ رکھے۔ تم کو تجویز کرنے کا کیا حق حاصل ہے یہ خدائی ہے یا بندگی ہے، جناب یہ بندگی ہے کوئی کھیل نہیں ہے۔ پس اپنا مذہب یہ رکھنا چاہیئے ؎

چونکہ بر میخت بہ بند دبستہ باش
چوں کشاید چابک وبرجستہ باش

سوچو تو کہ اگر خدا ناکردہ ساری عمر کے لئے کوئی بیماری لگ جاوے مثلاً اندھا ہو جاتا ہے تو کیا مر رہو گے، آخر برداشت کرو گے اور عمر اسی طرح تیر کر دو گے اسی طرح اگر حق تعالیٰ کسی باطنی مصیبت میں مبتلا کر دے تو صبر کرو انشاء اللہ غالب آؤ گے۔ اور اگر کلفت برابر بھی رہے گی تو کیا ہے اگر اسی میں مر گئے تو شہید اکبر مرو گے۔ حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ عَشِقَ فَكَتَمَ وَعَفَّ مَاتَ شَهِيدًا اگر کوئی عشق میں مبتلا ہو جاوے اور عفت اختیار کرے اور دوسرے کو رسوا نہ کرے بلکہ اپنے عشق کو چھپائے یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر جائے تو وہ شہید مرتا ہے تصور بھی خلاف شریعت نہ کرے چاہے اس کھٹن اور تکلیف سے مر ہی جاوے لیکن خلاف شریعت کوئی کام نہ کرے۔ سنو تو آخر کسی دن تو مرو گے۔ یہ کیوں چاہتے ہو کہ نیت باندھ کے

مریں یعنی مریں بھی جیسے ہم چاہیں۔ جب پیدا نہیں ہوئے اپنی مرضی کے موافق تو موت اپنی مرضی کے موافق کیوں چاہتے ہو۔

(کاتب وعظ عرض کرتا ہے کہ بیان نہایت جوش وخروش کے ساتھ ہو رہا تھا اور مجمع میں ایک سکتہ کا سا عالم تھا بالخصوص ایک صاحب پر جو عشق مجازی میں مبتلا تھے بے حد اثر تھا اور ان پر نہایت شدت کے ساتھ گریہ طاری تھا۔ ان کو ایک دوسرے صاحب بار بار دیکھتے تھے۔ حضرت نے ان کو جھڑکا کہ یہ کیا لغو حرکت ہے تم اپنے کام میں لگو)

تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ جیسے ہم چاہیں ویسے زندہ رہیں اور جیسے ہم چاہیں ویسے مریں۔ تمہیں تجویز کرنے کا حق کیا ہے۔ خدا تعالیٰ جیسے چاہیں گے رکھیں گے آرام میں یا تکلیف میں اور جس حالت میں چاہیں گے ماریں گے۔ لیکن میں بشارت دیتا ہوں اگر تم اپنی طرف سے عمر بھر تکلیف میں رہنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ گے تو اس تفویض کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد راحت نصیب کر دیں گے اور ایسی راحت نصیب کریں گے جس کو تم بھی راحت سمجھو گے۔ ہمت کر کے تو دیکھو ؎

چند روزے جہد کن باقی بخند

بس چند روز کی مصیبت ہے پھر ہنسنا ہے کھیلنا ہے۔ وعدہ ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔

(جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے)

نافرمانی میں خاص اسی وقت تو لطف آجاتا ہے لیکن پھر بعد کو بس پوری مصیبت کا سامنا ہے۔ مثلاً دن کو ایک حسین عورت سامنے سے گذری۔ نفس

نے دیکھنے کا بہت تقاضا کیا لیکن فوراً آنکھیں بند کر لیں نظر کے روکنے میں اس وقت تو بہت تکلیف ہوگی لیکن جب الگ ہو گئے تو واللہ دیکھو گے کہ دل میں ایک بہار ہوگی اور سارا دن ساری رات آرام میں گذرے گا۔ اور اگر نظر بھر کر دیکھ لیا اور پھر چار دن نظر نہ آئے تو دوزخی کی زندگی گذرے گی کہتے ہیں کہ صاحب نظر کے روکنے کی کلفت نہیں اٹھتی۔ میں کہتا ہوں کہ ایک منٹ کی تو کلفت نہ اٹھی اور چار دن کی کلفت اٹھا لو گے۔ یہ تو وہی ہوا کہ گنا ہے بھیلی دے بعض کو بعض معاصی کی نسبت یہ غلطی ہو گئی ہے کہ ایک مرتبہ اچھی طرح دل کھول کر گناہ کر لینے سے ارمان نکل جاوے گا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس سے قلب کے اندر جڑ اور زیادہ جمتی ہے گو اس وقت کچھ تسکین سی ہو جاوے۔ تمباکو کی سی لت ہے کہ جتنا پیو گے اتنی ہی اور لت بڑھے گی۔ اور اگر ہر بار خواہش کو روک لو گے تو کچھ دن بعد بالکل بجھ جاوے گی یوں ہی نفس کو مارو۔ انشاء اللہ مادہ فاسد جڑ پیڑ سے نکل جاوے گا۔ خلاصہ عذر کا یہ ہوتا ہے کہ صاحب ہمت نہیں ہوتی۔ دین کے واسطے تو ہمت نہیں ہوتی اور دنیا کے واسطے بڑی ہمتیں کرتے ہو۔

حضرت اگر کوئی حاکم آپ پر ایک شخص کو مسلط کر دے کہ جس وقت یہ نامحرم پر نظر کرے فوراً اس کی آنکھوں میں تنکے دے دینا تو سچ کہئے کیا پھر بھی نظر کو نہ روک سکو گے۔ دیکھیں تو پھر نظر کیسے نہیں رکتی۔ پھر افسوس ہے اللہ میاں کے تنکوں کا ڈر نہیں۔ بات یہ ہے کہ تکلیف اٹھانا گوارا نہیں۔ ورنہ سب کچھ ممکن ہے۔ خدا کے طالب نہیں راحت کے طالب ہیں مگر راحت حقیقی بھی تو اللہ ہی کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝

ہیچ کنجے بے ددوبے دام نیست

جز بہ خلوت گاہ حق آرام نیست

(کوئی گوشہ بے دوڑ دھوپ اور بغیر دام کے نہیں ہے۔ سوائے خلوت گاہ کی حق کے آرام نہیں ہے)

جدھر جا؛ مصیبت ؎

گر گریزی برامید راحتے   زاں طرف ہم پیش آید آفتے

(اگر کسی راحت کے خیال پر بھاگتا ہے تو اس جگہ بھی تجھ کو آفت پیش آئے گی)

ہیچ کنجے بے ددوبے دام نیست

جز بہ خلوت گاہ حق آرام نیست

اطمینان قلب کہیں میسر نہیں ہو سکتا۔ اگر اطمینان قلب چاہتے ہو تو قلب کے اندر اللہ کی یاد بسالو۔ یہ میں نہیں کہتا کہ ذکر شروع کرتے ہی اطمینان کا درجہ کامل ہو جاوے گا بلکہ جب ذکر سبب ہے اطمینان کا تو جتنا ذکر بڑھے گا اتنا ہی اطمینان کا درجہ بڑھے۔ جب ذکر کامل ہو جائے گا اطمینان بھی کامل ہو جاوے گا۔ پھر اس دولت سے مشرف ہوگے مرتے وقت اور صاحب سچ یہ ہے کہ ہزاروں زندگیاں قربان ایسے مرنے پر کہ ارشاد ہو گا۔

یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۙ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۔ اے جان اطمینان والی جس کو ذکر اللہ میں چین تھا آجا اپنے رب کی طرف اور لفظ ارجعی میں ایک لطیفہ ہے یعنی اس میں اشارہ ہے کہ تم تو خدا ہی کے پاس تھے یہاں تو تم آکر اجنبیوں میں مبتلا ہو گئے تو تمہارا مرنا اصل کی طرف واپس جانا ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

ہر کسے دور ماند از وصل خویش   باز جوید روزگار وصل خویش

(جو شخص اپنی معرفت سے دور ہو تو وہ زمانہ سے اپنا وصال تلاش کرتا ہے)

حضرت عارف جامی کہتے ہیں ؎

دلا تاکے دریں کاخ مجازی   کنی مانند طفلاں خاک بازی

(اے دل کب تک تو اس عارضی اور ناپائدار دنیا میں بچوں کی طرح خاک چھانتا رہے گا)

چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی   چو دوناں جغد ایں ویرانہ گشتی

(تو کیوں اس آشیانہ سے بیگانہ ہو گیا۔ کمینوں کی طرح اس ویرانہ کا تو الو کیوں بن گیا)

اب اس سے یہ بھی سمجھ لو کہ پھر تم کو دنیا و آخرت کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے اور اس کو اس مثال سے سمجھو کہ تم کبھی جلال آباد سے مظفر نگر جاتے ہو تو جو چیز وہاں اچھی ہوتی ہے اس کو یہاں لاکر برتتے ہو پھر یہاں دنیا میں آکر آخرت سے کیوں اجنبی ہو گئے۔ چاہئے یہ کہ دنیا بھی ملے تو آخرت ہی کے واسطے لے جاؤ۔ قارون کو خطاب ہے۔ وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ الآیہ

(ترجمہ) دنیا میں سے کچھ حصہ آخرت کے لئے لے اور بھول مت اپنے اس حصہ کو الخ

یا ہر جلال آباد کے تلاش معاش میں جاتے ہو وہاں سے کما کر لاتے ہو اور یہاں کھاتے ہو اسی طرح آخرت کے لئے یہاں سے کمائی کرکے اور بٹور

بٹار کر وہاں لے جاؤ۔ یہاں سے ذخیرہ آخرت جمع کرکے اپنے رب کے پاس لوٹ جاؤ۔ دنیا میں آخرت کی فکر سے غافل مت رہو کیونکہ جہاں سے آئے تھے وہیں لوٹ کر جانا ہے اور یہاں سے لوٹ کر وہاں جاؤ تو کس طرح جاؤ۔ جس طرح آگے اس نفس کے خطاب میں فرماتے ہیں رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً تم اللہ سے راضی ہو اللہ تم سے راضی، دیکھئے بہت سے لوگ لاکھوں روپیہ حکام کی خوشنودی کرنے کو خرچ کرتے ہیں۔ کیا ہر ہر حاکم کی خوشنودی تو مطلوب ہو اور حاکم حقیقی ہی کی خوشنودی مطلوب نہ ہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اے نفس مطمئنہ اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ حق تعالے نے یہاں دو ثمرے ذکر فرماتے ہیں۔ خاص بندوں میں شامل ہونا اور جنت میں داخل ہونا۔ ذرا غور تو کیجئے خاص بندوں میں داخل ہونے کو پہلے فرمایا ہے پھر جنت میں داخل ہونا مذکور ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اصل چیز خاص بندوں میں شامل ہونا ہے جس کی بدولت جنت ملے گی۔ اس جگہ اشارۃً یہ بات بھی ظاہر فرما دی کہ اگر ہمارے خاص بندوں کے ساتھ لگے لپٹے رہوگے تو جنت میں داخل ہونا نصیب ہو جاوے گا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(خدا تعالیٰ کی عنایت اور خاصان خدا کی توجہ کے بغیر راہ سلوک میں سبقت نہیں لے جا سکتے)

بہت لوگ اس غرہ میں ہیں کہ کتابیں دیکھ کر ہم کر سکتے ہیں اپنی اصلاح۔ کیونکہ کتابوں میں سب طریقے مذکور ہیں۔ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ واقفانِ فن اور اہل تجربہ سب اس پر متفق ہیں کہ عادۃً ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا بدون ماہر فن

شیخ کامل کے آدمی تنہا اپنی اصلاح نہیں کر سکتا۔ محض کتابیں دیکھ کر تربیت باطن تو بڑی چیز ہے۔ دنیا ہی میں نظریں دیکھ لو بلا استاد کے کوئی فن نہیں آسکتا کتاب خوانِ نعمت موجود ہے۔ اس میں سب کھانوں کی ترکیبیں مفصل درج ہیں یعنی پلاؤ کس طرح پکایا جاتا ہے۔ شامی کباب کس طرح بنتا ہے، بھلا کوئی پلاؤ اور شامی کباب پکا تو لے بے استاد کے محض کتاب میں ترکیب دیکھ کر۔ اسی طرح تربیت باطن ہو سکتی بدون شیخ کے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرو بے قلاوز اندریں صحرا مرو

کوئی رفیق ڈھونڈو بدون رہبر کے اس صحرا میں قدم مت رکھو۔

آگے فرماتے ہیں ؎

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید ہم بعونِ ہمتِ مرداں رسید

یعنی اگر شاذ و نادر کسی نے اس راہ کو تنہا قطع بھی کر لیا ہے تو یہ محض ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا ہے ورنہ در اصل کسی نہ کسی مردِ خدا کی توجہ اس کے ساتھ بھی متعلق رہی ہے گو خود اس کو اس کی خبر بھی نہ ہو کہ کدھر سے یہ فیض آرہا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مرید ہو جاؤ۔ یہ پھنڈ ہے۔ بیعت برکت کی چیز ضرور ہے۔ اس سے انکار نہیں لیکن اصل چیز محبت اور اتباع ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے اگر عمر بھر بھی مرید نہ ہو تو مطلق حاجت نہیں، بڑا ناس کیا ہے۔ پیری مریدی کا بہت سے پیروں نے لوگوں کو یہ سکھلایا ہے کہ بغیر مرید ہوئے کچھ نفع ہی نہیں ہوتا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ان سے اگر کوئی مرید ہو گیا پھر چاہے ان کی کیسی ہی بری حالت ہو تب بھی اس سے راضی اور اگر مرید نہ ہو تو بعضے اس کو تعلیم تلقین ہی نہیں کرتے جب تک مرید نہ ہو یعنی وہ لوگ عام طور پر اذکار اشغال بتلانے سے بخل کرتے ہیں۔ جیسے کوئی طبیب ہو جس کو کچھ آتا جاتا نہ ہو وہ

اپنے مطب کے نسخوں کی بڑی حفاظت کرتا ہے اگر مطب کے نسخے ہی بانٹ دیئے تو پھر اس کے پاس کیا رہ جاوے گا۔

خلاصہ یہ کہ مرید چاہے ہو یا نہیں لیکن کسی محقق سے تعلق پیدا کرو اگر منزل مقصود تک پہونچنا چاہتے ہو تو پہلے راستہ ڈھونڈو۔ اول تو بعضے تعلق ہی نہیں پیدا کرتے اور بعضے تعلق پیدا کرتے ہیں تو صرف یہ کہ مرید ہو گئے بس اسی کو کافی سمجھتے ہیں رہا ذکر شغل وغیرہ اور اصلاح نفس اس کو پیر کے ذمے سمجھتے ہیں۔ گویا جس کو استاد بنایا اُسی کے ذمہ سبق بھی یاد کرنا ہو گیا ارے اگر استاد نے سبق بھی یاد کر لیا تو اس کے یاد کر لینے سے تجھے تو یاد نہیں ہو گیا۔ یہ سمجھ رکھا ہے کہ مرید ہوتے ہی بس سب ٹاٹ پالان پیر کے ذمہ ہو گیا بقول کسی جاہل دیہاتی کے پیر کے۔

ایک گاؤں کا پیر اپنے ایک دیہاتی مرید کے پاس پہنچا۔ پیر صاحب کسی بیماری سے اُٹھے تھے اس لئے دُبلے بہت ہو رہے تھے،

دیہاتی نے دیکھ کر کہا ارے پیر توں (یعنی تو) دُبلا بہت ہو رہا ہے۔

پیر صاحب کو موقع مل گیا۔ کہا ارے بھائی دُبلا نہ ہوں تو کیا ہوں۔ روزے تم نہیں رکھتے وہ مجھے رکھنے پڑتے ہیں تمہارے بدلے، نماز تم نہیں پڑھتے وہ مجھے پڑھنی پڑتی ہے تمہاری طرف سے، روزے نماز نے تمہارے مجھے دُبلا کر رکھا ہے۔ اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ مجھے تمہارے عوض پلصراط پر چلنا پڑتا ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

دیہاتی نے یہ سن کر کہا کہ وہ ہ، ہ ہ ہ تجھے بڑی محنت ہمارے لئے کرنی پڑے۔ جا میں نے تجھے اپنا مونجی کا کھیت دیدیا۔

پیر صاحب نے سوچا کہ یہ دیہات کے لوگ ہیں ان کا کیا اعتبار، اب تو دے رہے ہیں پھر کہیں نیت بدل جائے اس لئے ابھی چل کر کھیت پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ کہا تم چل کر قبضہ کرادو۔

دیہاتی ساتھ ہو لیا اور پیر کو آگے کیا کہ اچھا چل میں تجھے وہ کھیت دکھلادوں۔ راستہ میں کھیتوں کی ڈولیں پڑیں چلتے چلتے پیر صاحب کا پیر جو پھسلا تو مینڈھ کے نیچے جا رہے، دیہاتی نے اُوپر ایک لات اور رسید کی کہ سہرے تُو تو کہتا تھا کہ میں تمہاری عوض پلصراط پر چلتا ہوں جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے چار اُنگل کی مینڈہ پر تو تجھ سے چلا ہی نہ گیا پلصراط پر تو کیا چلتا ہو گا تو جھوٹا ہے۔ جا ہم کھیت نہیں دیتے یہ کہکر راستہ ہی سے لوٹ آیا۔ لات ماری الگ اور کھیت چھین لیا سو الگ۔

اب ایسے جھوٹے پیروں نے صدیئیں گذر گئیں یہ ذہن نشین کرا رکھا ہے کہ پیر سارا بوجھ اٹھا لیتا ہے، آخرت کا بوجھ بھی اُسی کے سر پر اور دنیا کا بوجھ بھی اسی کے سر پر تو وہ پیر کا ہیکو ہوا پلّہ دار ہوا آخرت کا۔ اور دنیا کی مثال بھنگی کی سی ہوئی، کہ ہگو تم اور اٹھاوے وہ۔ مقدمہ بھی اسی کے ذریعہ فتح ہو جاوے گا، بیٹا بھی اسی کے ذریعہ ہو جاوے گا۔ اجی وہ تو دنیا کا اپنا بوجھ بھی نہیں اُٹھاتے تمہارا تو کیا اٹھاویں گے۔ یہاں پر میں ایک مثال دیتا ہوں جو دوستوں کے کام آوے گی۔

پیر اور مرید کا تعلق بالکل مریض اور طبیب کا سا ہے۔ مریض اگر طبیب سے صرف یہ کہدے کہ میں آج سے تمہارا مریض ہوں اور طبیب اس سے اقرار کرلے کہ میں آج سے تیرا طبیب ہوں تو کیا محض اس عہد و پیمان ہی سے شفا ہو جاوے گی

ہرگز نہیں)

علاج تو کرانا ہی ہوگا۔ طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جا کر طبیب سے خود مرض کو بیان کرتے ہیں خود کہتے ہیں کہ یہ روگ ہے مجھے۔ یہ نہیں کرتے کہ گئے اور چپ بیٹھ گئے۔ اسی طرح روز چار گھنٹے بیٹھ آئے نہ کچھ حال کہنا نہ نسخہ لکھوانا۔ نہیں بلکہ وہاں تو بار بار ایک ایک حال کو بالتفصیل طبیب کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتا بھی ہے کہ میں سمجھ گیا لیکن اصرار ہوتا ہے کہ ذرا اور سن لیجئے تسلی نہیں ہوتی کہ شاید کوئی اور بات بیان کرنے سے رہ گئی ہو۔

لیکن پیر کمبخت کی یہ کمبختی کہ اس سے کوئی حال اپنے امراض باطنی کا نہ کہا جاوے۔ بلکہ تمہارے اندر جو امراض ہیں ان کو وہ خود ہی بیان کرے اور خود ہی بدون تمہاری طلب کے اُن کا علاج کردے۔ تو گویا وہ فوٹوگرافر ہوا کہ تمہارے دل کے اندر جو کچھ ہے وہ خود بخود اس کے دل میں آجاوے اور اگر کشف کا بھروسہ ہو تو خوب سمجھ لیجئے کہ اول تو کشف اختیاری نہیں کہ جس وقت چاہا دوسرے کے دل کا حال معلوم کرلیا دوسرے اگر کشف ہو بھی گیا تو بدون تمہارے طلب کئے اس کی جوتی کو غرض پڑی ہے کہ زبردستی سر ہوتا پھرے وہ محتاج نہیں ہے یہ خود محتاج ہے مانگے گا تو دیں گے۔ اور اگر مانگتے بھی عار آتی ہے تو ان کی جوتی سے پھر یہ بھی ہے کہ کشف کی اُن کے نزدیک کوئی قدر نہیں۔ وہ نہ اس کو کمال سمجھتے ہیں نہ اس پر اعتماد رکھتے ہیں۔

کشف را برکفش می زنند

اور واقعی کشف کوئی چیز قابل قدر کے ہے بھی نہیں۔ کافروں تک کو کشف ہوتا ہے۔ جوگیوں کو کشف ہوتا ہے۔ شیطانوں کو کشف ہوتا ہے بلکہ جانوروں تک کو کشف ہوتا ہے۔ یہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ

بہائم کو قبر کا عذاب منکشف ہوتا ہے۔ لو صاحب یہ حقیقت ہے کشف کی جس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں پیروں کا۔

غرض یہ ہے کہ طبیب سے جس طرح رتی رتی اپنا حال ظاہر کردیتے ہو اور اپنے روگ چھپانا نہیں چاہتے۔ اسی طرح پیر سے بھی اپنا کچا چھٹا بیان کردو۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ خود تو کیا بیان کرتے اگر کوئی پیر خود ہی کسی بات پر ٹوکتا ہے تو باتیں بنانے بیٹھ جاتے ہیں۔ کسی غلطی پر متنبہ کیا تو وہیں اس کی توجیہ کرنی شروع کردی۔ جب تم کہتے ہو کہ ہمارے اندر عیب نہیں تو دوسرا کس چیز کی اصلاح کرے۔ جب تم بیمار ہی نہ ہو تو طبیب علاج کیا کرے ؎

اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کجا مشکل جواب آنجا رود   ہر کجا رنجے شفا آنجا رود
ہر کجا مشکل جواب آنجا رود   ہر کجا پستی ست آب آنجا رود

(جس جگہ درد ہوتا ہے دوا اسی جگہ کام دیتی ہے۔ جس جگہ بیماری ہوتی ہے شفا کی ضرورت وہیں ہوتی ہے)

جب تم نے مرض ہی بیان نہ کیا تو کوئی علاج کیا کرے۔ اگر پیر کسی عیب پر متنبہ کرے تو اس کی تقریر کو خوب غور سے سنئے اور سوچ سمجھے یہ نہیں کہ توجیہ کرنی شروع کردے۔ بلکہ اگر وہ عیب اس میں نہ بھی ہو تب بھی اس کا کیا بگڑ گیا۔ چلو ایک کام کی بات ہی معلوم ہوگئی۔ اگر خارش نہیں ہے تب بھی نسخہ تو پوچھ لو کسی وقت کام آوے گا۔ پھر تمہارا یہ سمجھنا بھی قابل اعتبار نہیں کہ ہم میں یہ عیب نہیں بعض اوقات اپنا مرض خود اپنی سمجھ میں نہیں آتا۔ طبیب نے نبض اور قارورہ دیکھ کر اپنی بصیرت فن سے یہ تشخیص کیا کہ خارشت کا مادہ

یعنی سودا بدن میں پیدا ہوچکا ہے اس کا جلد انسداد کرنا چاہئے ورنہ عنقریب خارشت ہونے والی ہے یہ سنکر مریض کو چاہئے کہ فوراً علاج کی فکر شروع کردے یہ نہیں کہ اس کی تردید شروع کردے کہ نہیں صاحب میں بالکل تندرست ہٹا کٹا ہوں مجھے کیوں خارشت ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ پیر کے سامنے اپنا اصلی مرض بھی بیان کردو اور خود بیان کردو اس کے منتظر نہ رہو کہ وہ خود پوچھے یا کشف سے معلوم کرلے جب طبیب سے سب حال کہدیا جاتا ہے تو وہ مرض تشخیص کرکے نسخہ لکھتا ہے۔ اس کے استعمال کے بعد پھر اطلاع حالات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اب یہ حال ہے پھر اس کے مطابق نسخہ میں مناسب تغیر و تبدل کیا جاتا ہے۔

یہی طریقہ شیخ سے رجوع کرنے کا ہے کہ اوّل مرض بیان کردو پھر وہ جو کچھ تجویز کردے ذکر شغل مجاہدہ یا اور کچھ علاج اس پر عمل کرکے اطلاع ان باتوں کی دو کہ یہ مرض تشخیص کیا گیا تھا۔ یہ علاج تجویز کیا گیا اس کو میں نے اتنے دن استعمال کیا اب یہ حال ہے۔ اب ہم آگے کونسا نسخہ استعمال کریں۔

اب آپ ایمان سے بتلا دیجئے فیصدی کتنے روحانی مریض ہیں جو ایسا معاملہ پیروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ پھر الٹی پیروں کی شکایت ہے کہ توجہ نہیں کرتے اب پیر کیا سر دیدیں۔ کبھی تم نے اپنا مرض بیان کرکے علاج تجویز کرا کے اس پر عمل کرکے حالات کی اطلاع دیکر آئندہ کو ہدایت لی۔ یا بس ہاتھ میں ہاتھ دے کر اور مریدی کا نام کرکے پھر غائب غلّہ سب کام طریقہ سے ہوا کرتے ہیں۔

غرض فادخلی فی عبادی میں جو خاص بندوں کے ساتھ شامل ہونے کا ذکر ہے اس کا طریقہ برتاؤ کرنے کا یہ ہے جو میں نے بیان کیا دو چیزیں

خلاصہ کے طور پر یاد رکھئے۔ اطلاع و اتباع، یہ دونوں لفظ ہم قافیہ بھی ہیں آسانی کے ساتھ یاد بھی رہ جاویں گے۔ امراض اور حالات کی اطلاع کرتا رہے اور جو کچھ شیخ تجویز کردے اس کا اتباع کرتا رہے۔ بس انہی دو چیزوں کو عمر بھر لئے رہے اپنا کچا چٹھا کہدے لوگ پیروں سے بھی اپنے مرضوں کو چھپاتے ہیں۔ بھلا شیخ کو کسی کا مرض کیسے آجاوے ذہن میں۔ یہاں تک چاہئے کہ اگر کوئی نیا کام دنیا کا بھی کریں تو اتنا پوچھ لیں کہ باطن میں تو مضر نہ ہوگا۔

ہم یہ تجارت کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے مناسب ہے یا نہیں۔ اس غرض سے نہ پوچھے کہ یہ معلوم ہوجاوے گا کہ اس تجارت میں نفع ہوگا یا نہیں اور پیر صاحب اللہ میاں سے پوچھ کر کہدیں گے کہ ہاں ہوگا۔ اس غرض سے ہرگز نہ پوچھے یہ گندی غرض ہے۔ بلکہ یہ پوچھے کہ ہم فلاں تجارت کرنا چاہتے ہیں وہ ہمارے باطن کو تو مضر نہ ہوگی۔ ہم فلاں عہدہ پر منتقل ہونا چاہتے ہیں۔ ہم انگریزی پڑھنا چاہتے ہیں یا طب پڑھنا چاہتے ہیں یہ ہمارے باطن کو تو مضر نہ ہوگا۔ یہ ہیں پوچھنے کی باتیں۔ اب تو یہ حال ہے کہ جو جی میں آیا کرلیا۔ پیر کو خبر بھی نہیں چاہے باطن کا بیڑا ہی ہوجائے۔ کہتے ہیں یہ ہمارے دنیا کے معاملات ہیں ان کی اطلاع کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ ان معاملات کا بھی باطن پر بڑا اثر پڑتا ہے۔

اس لئے جب کوئی نیا کام دنیا کا کرے ضرور اس کی اطلاع کرکے پیشتر مشورہ لے لے یہ ہے گویا طریقہ اپنی اصلاح کا یاد رکھو ان سے اپنے امراض کا کہنا ضروری ہے۔ اور اگر ان سے اپنے امراض اس لئے چھپاتے ہیں کہ ہم کو ذلیل سمجھیں گے تو یہ خوب سمجھ لیجئے کہ وہ کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے

کہ تم نے اس کو بیر ہی نہ سمجھا۔

اول تو ان میں تکبر نہیں ہوتا وہ خود اپنے آپ کو سب سے زیادہ ذلیل سمجھتے ہیں۔ پھر ایسا شخص دوسروں کو کیا ذلیل سمجھے گا۔ میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ جو اہل تحقیق میں سے ہیں وہ اللہ جانے کسی کو حقیر نہیں سمجھتے۔ غصہ کرنا اور بات ہے۔ اس کے راز ہیں دو۔ دو چیزیں ان کی نگاہ میں ہر وقت رہتی ہیں۔ ایک تو اپنے عیوب جن کی دونوں آنکھیں ہیں۔ یوں وہ کانے پر کیا ہنسیں۔ دوسرے وہ عالم میں حق تعالیٰ کے تصرفات کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ سب کی ڈوریاں اللہ میاں کے ہاتھ میں ہیں۔ جن کو اُدھر کھینچا وہ ادھر کھنچ گئے جن کو ادھر کھینچ لیا وہ ادھر کھنچ آئے یہی وجہ ہے کہ وہ کسی کو حقیر کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ غرض ان سے بلا خوف اپنے سب امراضِ ظاہر کر دو اور علاج کراؤ جو کچھ وہ بتلا دیں یہ ہے طریق خاص بندوں میں داخل ہونے کا جس کا اشارہ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ میں ہے۔ اور یاد رکھو یہ وہ دولت ہے کہ اس کا آخرت میں تو حظ حاصل ہو ہی گا۔ دنیا میں بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کا وہ حظ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے یہ سنا ہے کہ جنت میں آپس میں دوستوں میں ملاقاتیں ہوا کریں گی مجھے جنت کی تمنا ہو گئی ہے یعنی ملاقاتیں احباب کی یعنی اللہ کے بندوں کی اور اللہ کے بندوں میں شمار ہونا یہ جنت کی بھی اصل ہے جنت اس کی شاخ اور فرع ہے گویا بالقوہ دنیا ہی میں جنتی ہے وہ شخص جس نے اللہ والوں کے ذریعہ سے اللہ سے تعلق پیدا کیا۔

اب تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ ثمرہ ہے اطمینان کا اور یہ طریقہ ہے اطمینان حاصل کرنے کا۔ دیکھا آپ نے اطمینان کیا چیز ہے۔ گویا دنیا کا

بھی نفع اور دین کا بھی نفع۔

اسی کو فرماتے ہیں اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ہوشیار ہو کر سن لو قلوب کا اطمینان صرف ذکر اللہ سے حاصل ہوتا ہے اور کسی چیز سے نہیں۔ اس کے بعد اب ضرورت نہ ہوگی کسی کو پریشان ہونے کی۔

اگر پریشانیوں سے بچنا چاہتے ہو۔ مثلاً بے اولاد ہو یا کوئی بیماری ہے جس سے تنگ آ گئے ہو تو اصلی علاج یہ ہے کہ خدا سے تعلق پیدا کر کے پھر دیکھنا کہاں ہے پریشانی۔ امراء کو ناز ہے اپنے پلاؤ، قورمہ پر اور اہل اللہ کو اپنے روکھے سوکھے ٹکڑوں میں وہ مزا ہے جو ان کو پلاؤ قورموں میں بھی نہیں۔ میں ان چیزوں کے کھانے کو منع نہیں کرتا۔ مطلب میرا اس کہنے سے یہ ہے کہ آپ کو ایک مزا گھی کا ہے اور ایک مزا گوشت کا۔ ان کو تیسرا مزا اس تصور کا ہے کہ یہ خدا کی دی ہوئی چیز ہے۔ محبوب کے ہاتھ کی ملی ہوئی مٹھائی ہے۔ جب یہ تصور جم گیا پھر واللہ ان کو اس تصور میں وہ مزا آتا ہے جو امراء کو پلاؤ قورمہ میں بھی میسر نہیں۔ اصل میں یہ جو لذت کی ان کے پاس ہے وہ تو یہ ہے۔ چوتھے بھوک کا مزہ ہے۔ ان کا معمول ہے کہ جس روز بھوک نہیں لگتی اس روز کھانا بالکل ناغہ کر دیتے ہیں۔ پھر اگلے وقت کس مزے سے کھاتے ہیں۔

امراء کے یہاں یہ ہے کہ خادم نے اطلاع کی حضور کھانا تیار ہے۔ حضور نے سوچا کہ بھوک ہے یا نہیں۔ بھلا وہ بھوک ہی کیا جس کے معلوم کرنے کے لئے مراقبہ کی حاجت پڑے۔ کہا کچھ بھوک تو ہے نہیں۔ خادم نے عرض کیا کچھ تو حضور کھا لیں (نہیں تو سوکھ کے کھجور نہ ہو جائیں گے حضور)

حضور نے صرف اس ضرورت سے کہ معمول قضا نہ ہو کہا اچھا لے آؤ لاحول ولاقوۃ یہ بھی کوئی وظیفہ ہے کہ قضا نہ ہونے پائے۔

پانچویں یہ لذت ہے کہ مثل امراء کے ان کا یہ معمول نہیں کہ متعدد کھانے کھائے جاویں۔ جو ایک کھانے میں مزہ ہوتا ہے وہ متعدد کھانوں میں کہاں، متعدد کھانے کھانا اصول طب کے بھی تو خلاف ہے۔ موجز میں ہے۔

وَكَثْرَةُ الْأَلْوَانِ مُحَيِّرٌ لِلطَّبِيْعَةِ کئی چیزیں اگر کھائی جاویں تو معدہ اچھی طرح ہضم نہیں کرتا کیونکہ طبیعت متحیر ہو جاتی ہے اور طبیعت بعد کھانے کے تو متحیر ہوتی ہی ہوگی کھانے سے پہلے بھی اس طرح متحیر ہوتی ہے کہ اس کو کھاؤں یا اس کو، خیر آدھی بھوک اس میں سے کھایا آدھی بھوک اس میں سے۔ پھر تیسری چیز نے کہا مجھے بھی کھاؤ آدھی بھوک کی قدر اس میں سے بھی کھالیا۔ غرض ڈیڑھ بھوک کھا گئے۔ پیٹ ہے یا ربڑ کہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ آخر میں ضرورت پڑی کہیں نمک سلیمانی کھا رہے ہیں کہیں چورن پھانک رہے ہیں۔ ارے اتنا کھایا ہی کیوں تھا ایسے بدمذاق لوگ بھی موجود ہیں۔

کانپور میں ایک صاحب نے میری دعوت کی جس میں انھوں نے بجائے روٹیوں کے پراٹھے پکوانے چاہے۔ میں نے کہا میں پراٹھا نہیں کھا سکتا کیونکہ مجھے ہضم نہیں ہوتا تو ایک اور صاحب کیا فرماتے ہیں کہ کیوں ہضم نہیں ہوتا۔ معدہ کا علاج کرنا چاہیئے۔ ہضم کرنا چاہیئے۔

میں نے کہا سبحان اللہ کوئی میں اپنا علاج کروں گا تمہارے پراٹھے کھانے کے لئے، تو وہ حضرات اکثر ایک کھانا کھاتے ہیں اور بڑے

لطف سے کھاتے ہیں امراء اس لطف کے لئے ترستے رہ جاتے ہیں۔

ہم نے بھی مولانا شاہ فضل الرحمٰنؒ صاحب گنج مرادآبادی کے یہاں اکثر ارہر کی دال اور روٹی کھائی تھی۔ جو مزہ اُن کے اس کھانے میں آیا وہ بڑی بڑی دعوتوں میں بھی نہیں آیا۔ اس دال پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لطیفہ یاد آیا۔ ان کے یہاں کوئی رئیس مہمان آئے۔ گھروالوں نے پوچھا کہ کیا پکانا چاہیئے۔ فرمایا بس دال روٹی بھیجدو۔ عرض کیا گیا کہ حضرت لوگ ایسے ایسے لذیذ کھانوں کے کھانے والے ہیں بھلا ان کو دال کیا پسند آئے گی۔

فرمایا میاں كُلُّ جَدِيْدٍ لَذِيْذٌ ان کے لئے تو نئی چیز یہی ہے انھیں مزیدار کھانا کھلانا چاہیئے۔ خیر یہ تو لطیفہ تھا۔

مطلب یہ تھا کہ خوشامد کی کیا ضرورت ہے وہاں کسی کی خوشامد نہ تھی غرض ان کو کھانے میں بھی بڑا لطف آتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سارے چین حالی، قالی، مالی ظاہری باطنی روحانی جسمانی، دنیوی، اخروی اگر ہیں تو اللہ سے تعلق رکھنے والوں کو۔ وہ افلاس میں بھی راضی۔ مرض میں بھی راضی۔ تکلیف میں بھی راضی۔ مصیبت میں بھی راضی۔ غرض سب پر راضی۔ کسی حالت پر ناراض ہی نہیں۔

اب میں ایک حکایت حضرت بہلول کی نقل کر کے پھر ختم کرتا ہوں۔

حضرت بہلول نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیا حال ہے۔

فرمایا میاں اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو کہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جو اس کی خواہش کے موافق نہ ہوتا ہو۔

حضرت بہلول نے عرض کیا کہ حضرت ایسا کہاں سے ہو سکتا ہے یہ تو

کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

فرمایا؟ جس نے اپنی خواہش کو خدا کی خواہش میں فنا کر دیا ہو اس کی خواہش کے خلاف کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ظاہر ہے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے خدا کی خواہش کے موافق ہو رہا ہے اور اس شخص کی خواہش خدا کی خواہش میں فنا ہو کر عین خواہش حق ہو گئی ہے۔ لہٰذا جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اس کی خواہش کے موافق ہو رہا ہے۔ اور جب خواہش کے موافق ہے تو خواہ کسی حالت میں بھی ہو چین میں ہے۔

خلاصہ بیان کا یہ ہوا کہ بس ذکر اللہ ہی ٹھہری ایک چیز جس میں چین اور اطمینان منحصر ہے اور جس کا طریقہ بھی معلوم ہو گیا۔ اس طریقہ کا معین ہے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا اور ان کی نعمتوں کا مراقبہ۔ اس مجموعی طریق پر عمل کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ وہ حالات پیدا ہوں گے جس کو ذکر حقیقی کہہ سکتے ہیں۔
خلاصہ طریق کا یہ ہے کہ کسی صاحب کو اپنا رہبر تجویز کرو اور اس کی پیروی کرو اس کے دامن کے سایہ میں رہ کر زندگی ختم کر دو اس کے سوائے نہ کہیں چین ہے نہ آرام۔ میں پھر وہی شعر پڑھتا ہوں ؎

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست   جز بہ خلوت گاہِ حق آرام نیست

(کوئی گوشہ بے دوڑ دھوپ اور بے دام کے نہیں ہے سوائے خلوت گاہِ حق کے آرام نہیں ہے)

مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ میں کہہ چکا۔ اس کے بعد آپ کو اختیار ہے۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرماویں۔ تَمَّ بِحَمْدِ اللّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ ۞

تمت

مواعظِ ثلٰثہ

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کتب خانہ مظہری

گلشن اقبال کراچی پاکستان

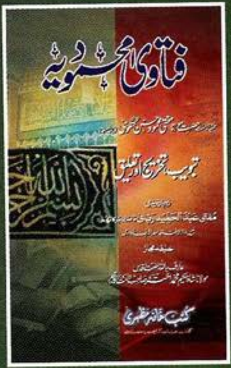

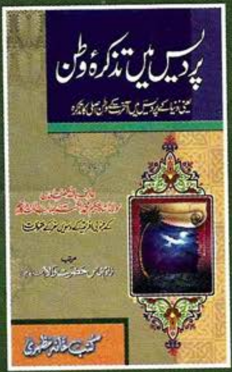

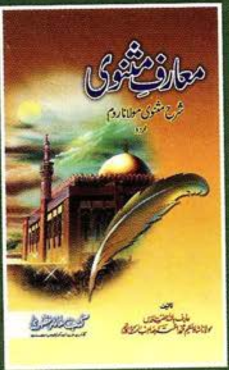

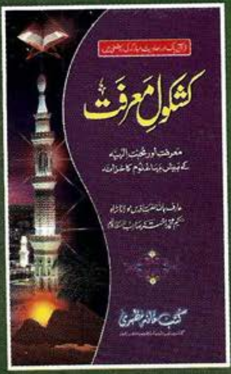

COMET CREATIONS : 2767275